بشریٰ کے خطوط

مائل خیرآبادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بشریٰ کے خطوط

پہلا خط

میری پیاری آپا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

میں خط لکھنے ہی کو تھی کہ آپ کا خط آگیا۔ لطف یہ کہ میں نے وہی سب کچھ لکھنے کے لیے سوچ رکھا تھا جو آپ نے پوچھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جو کچھ میرے دل میں ہوتا ہے، آپ کی زبان پر پہلے آجاتا ہے، یا یوں کہیے کہ جب کبھی آپ نے کچھ فرمایا، میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔

اب آپ اپنے خط کا جواب سنیئے! "وہ" تحصیلدار کے پیشکار ہیں، اسی روپے تنخواہ پاتے ہیں۔ تنخواہ لاکر میرے ہاتھ میں رکھ دیتے ہیں۔ پھر میں جس طرح چاہوں خرچ کروں، کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔

میرا بہت خیال رکھتے ہیں، میں نے کسی چیز کے لیے کہا، فوراً انھوں نے لا کر دیا۔ گھر میں مَیں، وہ اور رضیہ یہ تین افراد ہیں۔ رضیہ سے ہر وقت کُرید کُرید کر پوچھا کرتے ہیں "تمہاری بھابی کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

اس اعتبار سے میں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں، کم ہے، لیکن دوسرا پہلو بہت تاریک ہے۔ ڈرتی ہوں کہ زبان سے نکالوں اور غیبت میں پکڑی جاؤں۔ پھر خدانخواستہ کسی طرح اُن کے کان میں بھنک پڑ جائے تو جانے کیا سمجھیں، اور ذرا سی بے احتیاطی سے بے لطفی پیدا ہو جائے۔ مگر آپ ہی فرمائیں، اگر میں آپ ہی سے نہ کہوں تو کس سے کہوں؟ کس سے مشورہ لوں؟ دو چار لفظ جو "شُد بُد" معلوم ہیں یہ سب آپ ہی کی بدولت تو ہے۔

آپا جان! وہ کچھ آزاد خیال سے معلوم ہوتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں مگر بس جمعہ کی۔ حرام کو حرام سمجھتے ہیں، مگر رشوت کو مزید محنت کا صلہ کہتے ہیں۔ تنخواہ کے علاوہ دو چار روپے روز اور لا کر دیتے ہیں۔ ان دو چار روپوں سے میں بہت گھبراتی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا، کیسے ٹوکوں؟ ابھی تو اس رقم کو میں علیحدہ رکھتی جا رہی ہوں۔ آپ جیسا مشورہ دیں گی ویسا کروں گی ــــ اور سنیے! جھوٹ سے انھیں سخت نفرت ہے، مگر دوسروں کے جھوٹ سے۔ پرسوں اتوار کی بات

ہے، ایک صاحب نے باہر سے پکارا۔ حضرت اندر تھے، رضیہ سے کہا "جا کر کہدو، نہیں ہیں۔" خود ذرا بھی احتیاط نہیں برتتے۔ دنیا کے سارے مذہبوں میں اسلام ہی کو سچّا سمجھتے ہیں، مگر یکسو نہیں ہیں۔ باپ دادا کے وقت کی بُری رسمیں انھیں ایک آن نہیں بھاتیں، مگر برادری کے اثر سے کبھی کبھی کر گزرتے ہیں۔ زندگی کے ہر موڑ پر اسلام کے اصولوں کو برتنا ضروری نہیں سمجھتے۔ ہر اتوار کو سینما ضرور دیکھتے ہیں۔ غضب خدا کا، بند بند لفظوں میں کئی بار مجھے دعوت دے چکے ہیں۔ رضیہ سے کہتے ہیں کہ "اپنی بھابی سے پوچھو، کہیں تو، تم کو اور تمہاری بھابی کو بھی دکھلایا کریں۔" رضیہ بھولی بچّی، ضد کرنے لگتی ہے۔ "اچھی بھابی! ضرور چلیے نا، ضرور چلیے۔ سینما میں گھوڑے دوڑتے ہیں تو بڑا اچھا لگتا ہے۔" کسی نہ کسی طرح میں رضیہ کو مناتی ہوں، مگر کب تک؟ ایک نہ ایک دن وہ کھل کر کہیں گے اور مجھے صاف انکار کرنا پڑے گا، پھر ظاہر ہے کہ ان کے دل پر کیا اثر ہوگا؟ دین کا مطلب آپ نے جو مجھے بتایا اور قرآن مجید کے ترجمے سے جو کچھ میں نے سمجھا ہے، اُس سے ان کو کوئی لگاؤ نہیں۔ اللہ کو رزاق اور حاجت روا کہتے ہیں، مگر تحصیلدار سے اتنا ڈرتے ہیں گویا ان کی روزی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ بارہ بجے رات کو چپراسی بلانے آئے تو فوراً حاضری کو جائیں۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ اگر کسی دن صبح کی نماز کے لیے

جگاؤں تو شاید مزاج برہم ہو جائے اور پیشانی پر نہ جانے کتنے بل پڑ جائیں۔ غرض کہ ان کے اس رُخ کو کہاں تک آپ کے سامنے لاؤں۔ آپ یہ سمجھ لیں کہ اختر صاحب اسلام اور غیر اسلام کا وہ معجون مرکب ہیں جس میں غیر اسلام کے اجزاء زیادہ پائے جاتے ہیں۔

میری تعلیم و تربیت آپ نے جس ڈھنگ پر کی ہے اس کا تو یہ تقاضا ہے کہ انھیں اسلام پر مطمئن بھی دیکھوں اور یکسو بھی۔ اب بتائیے، میں کیا کروں؟ ایک طرف ان کی محبت کو دیکھتی ہوں، بے چارے بچھے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف ان کی زندگی میں کس قدر اندھیرا نظر آرہا ہے۔ لرز رہی ہوں۔ کہیں اس اندھیرے میں ہمارا وہی حال نہ ہو جو صبیحہ باجی اور ان کے شوہر کا ہوا۔ خدا کے لیے آپ جواب سے مطلع کیجیے، اور مجھے مشورہ دیجیے کہ میں کیا کروں؟ میں آپ کے مشورے کے بغیر کوئی قدم اُٹھانا نہیں چاہتی۔ آپ کے جواب کا شدت سے انتظار کروں گی۔ سلمیٰ کو پیار اور بھائی جان کو سلام کہہ دیجیے گا۔ والسلام

دُور اُفتادہ ــــــ "بشریٰ"

دوسرا خط

پیاری آپا! السلام علیکم

آپ کا خط آئے ایک ہفتہ ہو گیا۔ اس عرصے میں، مَیں نہیں بتا سکتی کہ کتنی بار اسے پڑھ چکی ہوں۔ جب تک "وہ" گھر میں رہتے ہیں ان کی خدمت میں لگی رہتی ہوں۔ اِدھر وہ کچہری گئے کہ میں نے آپ کا خط نکالا اور لگی پڑھنے۔ نہ جانے کیا بات ہے آپ کی تحریر میں، جتنا پڑھتی ہوں اتنا ہی پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ جب پڑھتی ہوں، ایک نہ ایک نئی بات ضرور پاتی ہوں۔ ہے تو آپ کا خط کہنے کو ذرا سا، مگر سچ مچ آپ نے کوزے میں دریا بھر دیا ہے۔ میں نے ایک بار ایک مضمون لکھ کر آپ کو دکھایا تھا تو آپ نے اسے دیکھنے اور اصلاح کرنے کے بعد یہ مصرع لکھ دیا تھا "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"۔ میں آپ سے چھوٹی ہوں۔ معلوم نہیں، یہ مصرع لکھ کر میں آپ کو بھیج سکتی ہوں یا نہیں؟

آپا! آپ کے سمجھانے کا طریقہ ایسا ہے کہ ایک ایک بات دل میں بیٹھ جاتی ہے، میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی ہوں جس نے آپ جیسی اچھی آپا مجھ کو عطا فرمائی۔ تنہائی میں جب آپ کی نصیحت اور محبت کی ملی جلی

باتیں پڑھتی ہوں تو دیر تک آپ کا خیال بندھا رہتا ہے۔ آپ کا خط میرے لیے نصیحت نامہ بھی ہوتا ہے اور تسکین نامہ بھی۔ اس پر عمل کرکے اس ہفتہ بے حد فائدہ ہوا۔

میں نے آپ کے لکھنے کے مطابق "ان کو" مطلق نہیں چھیڑا۔ رضیہ کو پڑھانا شروع کر دیا ہے۔ رضیہ ماشاءاللہ بڑی ہوشیار بچّی معلوم ہوتی ہے۔ ہے تو ابھی ساڑھے چار برس کی مگر اللہ تعالیٰ نے اسے بڑا اچھا ذہن عطا فرمایا ہے۔ ایک بار جو بتا دیتی ہوں فوراً یاد کر لیتی ہے۔ دس دن میں پندرہ سولہ حروف لکھنا پڑھنا سیکھ چکی ہے، اور چھ لفظوں کو بھی پہچان لیتی ہے۔ آپا، آم، لا، اللہ، ایک، ہے۔ ان چھ لفظوں کو پاس پاس لکھ دو، تو پورا جملہ بھی پڑھ لیتی ہے۔

جیسا کہ آپ نے لکھا، میں نے اسی طرح رضیہ سے زبانی بات چیت کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ زبانی بات چیت اس سے رات کو سونے سے پہلے ہوتی ہے۔ پیارے رسولؐ کی پیاری باتیں، نبیوں کے قصّے، صحابہ کرامؓ کے حالات و واقعات جو موقع پر یاد آجاتے ہیں، آسان لفظوں میں کہانی کے طور پر سُناتی ہوں، رضیہ ہوں ہوں کرتی رہتی ہے، اور ہوں ہوں کرتے کرتے میری گود سے نیند کی گود میں پہنچ جاتی ہے۔ ان دس دنوں میں وہ پہلے سے زیادہ مجھ سے ہل مل گئی ہے اور بغیر کوئی قصّہ سُنے اسے نیند نہیں آتی۔

آپا! آپ کے بتائے ہوئے اس طریقے پر عمل کرنے سے میں نے اختر صاحب کے دل میں اور بھی جگہ پیدا کر لی ہے۔ ایک دن کہنے لگے "میرا خیال تھا کہ جس طرح عام طور پر دوسرے گھروں میں نند اور بھاوجوں میں چخ چخ مچی رہتی ہے، اسی طرح ہمارے یہاں بھی ہوگا۔ مگر مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے کہ ہمارے یہاں اس کا اُلٹا ہوگا۔"

یہ سُنتے ہی میں نے ان کی آواز میں آواز ملا کر "انشاء اللہ تعالیٰ" کہا۔ اب میری ہمت بھی بڑھ گئی ہے۔ اللہ نے چاہا تو رضیہ کے پردے میں میں ان کو دین کی طرف موڑنے اور یکسو کرنے میں ضرور کامیاب ہوں گی۔ فی الحال تو میں آپ کی اس نصیحت پر عمل کر رہی ہوں کہ کسی طرح میں ان کے دل کو ہاتھ میں لے لوں۔ لیکن آپا! خدا کے واسطے کہیں آپ مجھے بیچ میں نہ چھوڑ دیجیے گا، مجھے مشورے ضرور دیتی رہیے گا۔ یہ تو آپ جانتی ہیں کہ میں آپ کے مشوروں کی کس قدر ضرورت مند ہوں۔ پیاری سلمیٰ تو اب غوں غاں کرنے لگی ہوگی۔ اسے میری طرف سے پیار کیجیے گا، اور بھائی جان کو سلام۔ بھائی جان سے یہ بھی کہہ دیجیے گا کہ میں بہت آرام سے ہوں، مطمئن رہیں۔

والسلام۔ آپ کی "بُشریٰ"

تیسرا خط

توبہ ہے توبہ ! آپا جان !!

اب کے خط میں تو آپ نے ایسی ڈانٹ پلائی ہے کہ میں ڈر ہی گئی۔
دیکھیے اس خط کے لکھتے وقت مجھ پر ایسا خوف طاری ہے کہ خط لکھنا تو شروع
کر دیا مگر آداب و القاب اور مقام و تاریخ سب ندارد۔

میری اچھی آپا! للہ میری خطا معاف کر دو۔ اپنے پچھلے دونوں
خطوں میں اللہ کا شکر ادا کرتے کرتے میں کچھ ایسا بے خود ہوئی کہ خیال
نہ رہا، اب توبہ کرتی ہوں، کبھی آپ کی تعریف کا ایک لفظ نہ لکھوں گی۔
میرے منھ میں مٹی بھرنے کو کیوں کہتی ہو۔ سمجھو بھر دی۔

آپ کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ اللہ اگر توفیق نہ دے تو انسان کے
بس کا کام نہیں، اور آپ کا یہ کہنا بھی ٹھیک ہے کہ اگر انسان میں کام
کرنے کی لگن ہو تو اللہ میاں عجیب و غریب طریقے سے مدد بھی فرماتے
ہیں۔ اس ہفتے مجھے اس کا تجربہ ہوا۔

پرسوں میں عشاء کی نماز پڑھ رہی تھی "وہ" ایک طرف آرام کرسی

پر دراز تھے، رضیہ میرے مصلّے پر بیٹھی اس بات کا انتظار کر رہی تھی کہ میں نماز پڑھ چکوں تو اسے قصّے سناؤں۔ ضبط نہ ہوا تو عین "وتر" میں جب میں دعائے قنوت پڑھ رہی تھی اُس نے کہا "بھابی جلدی نماز پڑھ کر آئیے۔"

"وہ" آرام کرسی پر دراز ہی تھے۔ رضیہ کو نماز میں مخل ہوتے دیکھ کر شُشش ہُشُش کر کے بولنے سے منع کیا۔ بے چاری رضیہ چپ رہی۔ جب میں نماز پڑھ چکی تو اس نے بھولے پن سے کہا "بھابی جان! اس وقت آپ نماز نہ پڑھا کریں۔" میں نے کہا "کیوں؟" بولی "کہانی میں دیر ہو جاتی ہے۔"

میں نے اسے پیار کر کے کہا۔ "اگر نماز نہ پڑھوں گی تو اللہ میاں خفا ہو جائیں گے۔" "اللہ میاں خفا ہو جائیں گے۔"؟ رضیہ نے فقرہ دہرایا اور کہنے لگی "تو پھر مجھ سے بھی اللہ میاں خفا ہو جائیں گے۔" میں نے کہا۔ "نہیں، تم ابھی بچّہ ہو، تم کو ابھی نماز آتی کہاں ہے؟ ہاں، اگر بڑی ہو کر نماز نہ پڑھو گی تو سچ مچ اللہ میاں خفا ہو جائیں گے۔"

یہ سُن کر اس نے کچھ سوچا، ایک نظر "ان" پر ڈالی، بولی "اور بھائی جان بھی تو......" نہ جانے کیا سوچ کر کہتے کہتے یکایک رُک گئی۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتی تھی، اسے میں نے بھی سمجھ لیا، اور آرام کرسی پر بیٹھے بیٹھے "وہ" بھی سمجھ گئے۔ کھسیانی ہنسی ہنسنے لگے۔ دوڑ کر رضیہ کو دونوں ہاتھوں

سے اُٹھالیا اور جھینپ مٹانے کے لیے اسے سینے سے چمٹا کر پیار کرنے لگے۔

خیر، بات آئی گئی ہو گئی۔ مگر دیکھیے تو، رضیہ کی یہ کہاں کی بات کہاں جا کر تیر کی طرح چبھی۔ رضیہ ان کی گود سے اتر کر میرے پاس آئی۔ کہانی سُنتے سُنتے میرے سینے ہی پر سر رکھ کر سو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد میری آنکھ بھی لگ گئی۔

میں صبح کو سو کر اٹھی تو آہٹ پا کر وہ بھی جاگے، اٹھے، ضروریات سے فارغ ہوئے، تولیہ لیا اور باہر نکل گئے۔ میں نے پوچھا "کہاں؟"، کچھ جواب نہیں دیا۔ سورج نکلے لوٹ کر آئے تو میں نے ان کی پیشانی پر سجدے کا نشان دیکھا۔ میں نے پوچھا "ماتھے پر یہ مٹی کیسی لگی ہے؟" میرے اس پوچھنے پر انھوں نے جھٹ پیشانی پونچھ ڈالی۔ کچھ بتایا نہیں لیکن میں سمجھ گئی کہ آج نمازیوں نے بڑی خوشی سے اور بے نمازیوں نے بڑی حیرت سے انھیں دیکھا ہو گا۔

آپا! آپ سمجھ سکتی ہیں کہ آج مجھے کیسی خوشی ہے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ اگر اللہ کی توفیق شامل حال رہی جس کی توقع تو پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے۔ بلکہ اب تو میرا حوصلہ بڑھ گیا ہے تو انشاءاللہ اب میرا گھر صحیح معنوں میں ایک مسلم گھر بن جائے گا۔ برائے مہربانی اب آپ وہ کتاب بھی

بھیج دیجیے جسے آپ نے مجھے پڑھایا تھا۔ نماز کے متعلق ہے۔ کیا نام ہے؟"
اگر اس وقت نماز پر انھیں پوری خوراک نہ دی گئی تو اندیشہ ہے کہ ان کی نماز جوشیلے نوجوانوں کی سی نماز ثابت ہو، اور دو چار، دس پانچ دن کے بعد جذبات ختم ہونے پر وہ نماز بھی ختم کر دیں۔
میں نے ارادہ کیا تھا کہ ہر پندرھویں دن آپ کو خط لکھا کروں گی مگر ان کے نماز پڑھنے کی خوشی میں یہ خط پہلے لکھ رہی ہوں۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔ خط میں آپ سلمیٰ کا حال بھی تفصیل سے لکھا کیجیے۔ جی لگا رہتا ہے۔ بھائی جان سے سلام کہہ دیجیے۔ والسلام
آپ کے مشوروں کی طلبگار "بُشریٰ"

چوتھا خط

آپا جان! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'
یہ آپ نے اچھا کیا کہ نماز کی کتاب کے ساتھ ساتھ ایمان اور اسلام سے متعلق بھی کتابیں بھیج دیں۔ کل آپ کا خط ملا تھا۔ میں کل ہی سے ان کتابوں کا انتظار کر رہی تھی۔ آپ کے خط سے یہ بات میری سمجھ میں آگئی کہ انھیں "اسلامی تعلیمات کی کتابیں ترتیب سے دکھائی جائیں۔ میری چار پائی پر کتابوں کا بنڈل دیکھ کر پوچھا کہ اس میں کیا ہے؟ میں نے بتایا "آپا جان نے کچھ کتابیں بھیجی ہیں"۔ وہ بنڈل دیکھنے لگے۔ میں نے کہا "بسم اللہ، کھول کر دیکھیے، میں آپ کی ہوں تو میری ہر چیز آپ کی ہے۔"
میرا یہ جملہ سُن کر مسکرائے، بنڈل کھولا، کتابوں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگے۔ پہلے ٹائیٹل پر سرسری نظر ڈالی۔ میں بھی پاس پہنچ گئی۔ رضیہ بھی آکر کھڑی ہوگئی۔ کتاب "نماز"، تو میں نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ رضیہ نے کہا "بھابی جان، مجھے بھی ایک کتاب دیجیے۔" "تم کو پڑھنا بھی آتا ہے؟" کہتے ہوئے "اسلام" میں نے اسے دے دی۔ لامحالہ "حقیقت ایمان" "ان" کے

حصے میں آئی۔ یہی میرا منشا بھی تھا کہ وہ "حقیقت ایمان" پڑھیں۔ میرے ہتھے جو کتاب لگی میں نے تو یونہی اس کے ایک صفحے پر نظریں جمادیں۔ رضیہ بھی ورقوں کو اُلٹ پلٹ کرنے لگی۔ ایک جگہ اس نے چونک کر انگلی رکھی اور کہا "یہ دیکھیے بھابی جان! "اللہ" یہ لکھا ہے۔"

"حقیقت ایمان" لے کر وہ اسی جگہ پلنگ پر بیٹھ گئے۔ اب میں نے ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ رضیہ کو لے کر وہاں سے کھسک گئی۔ وہ بڑی محویت سے کتاب پڑھتے رہے۔ کبھی کبھی میں انھیں دیکھتی جاتی تھی۔ سچ مچ ان کا جی لگ گیا۔ ناول اور افسانوں کے پڑھنے والے ہیں۔ میں ڈر رہی تھی کہیں ان کو نہ جینچے۔ مگر بھئی بڑا زور ہے اس کتاب کی عبارت میں۔ پڑھ کر ہی اُٹھے۔ مجھے متوجہ کر کے کہا "آپ بڑی مُلّانی بنتی ہیں، ہر وقت نماز ہی میں جی لگا رہتا ہے۔ لیجیے پہلے یہ کتاب پڑھ کر پکّی مسلمان تو بنیے۔ پھر عبادت کیجیے گا۔"

میں نے اپنے دل میں کہا "گویا حضور یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کو نہیں پڑھا ہے" مگر میں نے اس وقت آپ کی اس نصیحت پر عمل کیا جو آپ اکثر نئی نویلی دلہنوں کو بتایا کرتی ہیں کہ "سسرال میں ہاتھ لمبے اور زبان چھوٹی رکھنی چاہیئے۔" آپ کے یہ لمبے ہاتھ اور چھوٹی زبان کی ادیت تو مجھے کبھی پسند نہ آئی، مگر خیر عمل میں نے اسی پر کیا ہے۔ جب انھوں نے "حقیقت ایمان" میری طرف بڑھائی تو میں نے چپکے سے لے لی اور کتاب

"اسلام" انھیں تھمادی جسے لیتے ہوئے کہنے لگے "ملّانی جی! حقیقت تو اب سمجھ میں آئی ہے جب یہ ذرا سی کتاب پڑھی۔ ابھی تک ہم ایمان و اسلام سے کورے ہی تھے۔"

میں نے ان کے اس "کورے پن" پر تبصرہ نہیں کیا، نہ میں نے یہی بتایا کہ یہ کتابیں پڑھ چکی ہوں۔ آپا! اب تو آثار بہت اچھے نظر آرہے ہیں۔ آج شام تک بیٹھے کتابیں ہی پڑھا کیے۔ سینما بھی نہیں گئے۔ مظفر صاحب نے مغرب سے پہلے پکارا بھی مگر ان سے کہہ دیا "بھئی آج ناغہ، کچھ جی نہیں چاہتا" مظفر صاحب باہر ہی باہر چلے گئے۔

کتابوں کی یہ برکت دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ کہاں تو میں یہ ڈر رہی تھی کہ کہیں ایک دن مجھ سے نہ کہیں، چلو پکچر دیکھ آئیں، کہاں خود ٹال دیا۔ آپا! آپ کے بقول یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور توفیق ہے، بندہ جب اس کی طرف ایک انچ بڑھتا ہے تو وہ اپنے بندہ کی طرف گزوں بڑھتا ہے اور اس کی مثال وہ صاحب ہیں جنھیں میں اپنا سرتاج سمجھتی ہوں اور جن سے آپ نے میری زندگی کا دامن باندھ دیا ہے۔

رضیہ اب دو حرفی لفظ پڑھتی ہے۔ دفتی کے ایک کارڈ پر میں نے لکھا "دس دن رہ" وہ کارڈ لیے لیے پھرا کی۔ باہر لے گئی۔ خالدہ سے دیر تک کھیلتی رہی۔ خالدہ تو خیر اچھا خاصا پڑھ گئی ہے۔ ایک دن اُسے نماز پڑھتے اس کے

گھر دیکھ لیا، بس پھر آکر میرے سر ہو گئی "بھابی جان! اب مجھے بھی نماز سکھا دیجیے۔ دیکھیے خالدہ نماز پڑھتی ہے، مجھ سے دو انگل ہی تو بڑی ہے اور ہاں بھابی جان! یہ تو بتائیے! میں بڑی کب ہوں گی۔ ابھی میرے نماز نہ پڑھنے سے اللہ میاں ناراض تو نہیں ہوتے؟"

دیکھیے آپا! ہے نا رضیہ ذہین! کب کی بات ہے، اب تک یاد ہے۔ اللہ اسے نظرِ بد سے بچائے۔ میرے سرتاج کے لیے کچھ کتابیں اور روانہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں کہ "آپا کے پاس جب خط لکھو میرا بھی سلام ضرور لکھو، اور کسی موقع پر انھیں بلاؤ ذرا۔"

دیکھیے آپا! صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب ہماری طرف کافی مڑ چکے ہیں۔ میں سوچتی ہوں کہ کسی خاص موقع پر آپ کو اور بھائی جان کو تکلیف دوں۔ پُرسانِ حال کی خدمت میں سلام کہہ دیجیے گا۔ والسلام

طالبِ دعا ——— آپ کی "بشریٰ"

پانچواں خط

آپا! ہزاروں سلام ہوں آپ پر —— کیا خوب ترکیب بتائی ہے آپ نے۔ ارے توبہ! دیکھیے پھر میں آپ کی تعریف کرنے لگی۔ بھئی آپا! اگر بے اختیاری میں کبھی ایسا جملہ قلم سے نکل جائے تو معاف کر دیجیے گا۔ اب کے آپ نے جو خاص تبلیغ کی ترکیب بتائی ہے وہ یقیناً کامیاب ہے۔

میں نے آپ کے کہنے کے مطابق "ان" سے عرض کیا کہ آپا جان نے جو کتابیں بھیجی ہیں، انھیں میں پڑھ تو لیتی ہوں، لیکن اگر آپ روزانہ دس پانچ منٹ ان کی تشریح کر دیا کریں تو پھر ساری باتیں ذہن میں بیٹھ جائیں، اور پھر آپ کے کہنے کے مطابق میں پکی مسلمان بن جاؤں۔"

میری یہ بات انھوں نے فوراً منظور کر لی۔ مجھے پڑھانے لگے، پڑھانے سے پہلے خود تیاری کرتے ہیں۔ کئی روز تشریح اور تیاری کرتے کرتے اب وہی جملہ ان کی زبان سے بھی ادا ہونے لگا ہے جو آپ فرمایا کرتی ہیں، یعنی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی یاد صرف نماز ہی میں نہیں ہونا چاہیئے بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اس کے احکام کی تعمیل ضروری ہے کہیں کہیں تشریح

میں کمی رہ جاتی ہے تو میں جھٹ سوال کر بیٹھتی ہوں تو وہ میرے ذہن کی تعریف کر کے دوبارہ تشریح تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں۔

یہ ایسا خاموش اور اثر کرنے والا طریقہ ہے کہ ایک طرف میرا علم تازہ ہو رہا ہے، دوسری طرف اُن کے ذہن میں توحید کے تقاضے بیٹھتے جاتے ہیں ـــــ ایک دن بڑا مزہ آیا۔ رضیہ نے "ان" کی زبان سے سُنا کہ نفس جب تک زیر نہیں ہوتا تب تک زندگی کے ہر شعبے میں احکامِ الٰہی پر عمل کرنا مشکل ہے۔ رضیہ نے پوچھا "بھائی جان! یہ "لنسف" کیا ہوتا ہے؟" رضیہ کے اس "لنسف" پر ہم دونوں خوب ہنسے۔ انھوں نے سمجھایا "بنّو! لنسف نہیں نفس۔ نفس کے معنے یہ ہیں کہ جو جی میں آئے کریں۔" یہ کہہ کر انھوں نے میرا جائزہ لیا، گویا رضیہ کے پردے میں انھوں نے مجھے سمجھایا، پھر یہ دیکھا کہ میں کتنا متاثر ہوئی ہوں۔ خوب ہے۔ میں اُن کے پھیر میں تھی۔ اب ان کی یہ خواہش ہے کہ میں اپنی زندگی کے ہر گوشے میں اللہ کے حکموں کا خیال رکھوں۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔

تینوں کتابیں جو آپ نے بھیجیں، دوبارہ مجھے تشریح و تفصیل سے پڑھا چکے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایسی ہی کتابیں کچھ اور ہوتیں جن سے ذہن اور صاف ہوتا اور وہ باتیں جو اسلام کے متعلق دل میں کھٹک رہی ہیں، دُور ہوتیں۔ میں نے پوچھا "وہ کون سی باتیں ہیں جو کھٹک رہی ہیں؟" فرمانے

لگے: "تم عورت ذات ہو، ایسا نہ ہو کہ سُن کر فتنے میں مبتلا ہو جاؤ تو خواہ مخواہ گناہ گار میں ہوں۔"

آپا! آپ اندازہ لگائیے کہ اب وہ کس جستجو میں ہیں، نیز ان میں "احتیاط" کتنی آ گئی ہے؟

یہ سب کچھ ہے مگر اُن میں ہنوز کوئی ایسی تبدیلی عملاً نہیں ہوئی ہے جو اسلام چاہتا ہے۔ جب تفریح میں ہوتے ہیں تو کچھ نہ کچھ جھوٹ بول جاتے ہیں۔ "مزید محنت کا صلہ" اب بھی دس پانچ روپوں کی صورت میں آتا رہتا ہے خیر زیادہ تو نہیں، پھر بھی انوار کو سینما دیکھنے چلے ہی جاتے ہیں اور سب سے زیادہ تشویش کی بات یہ ہے کہ اعتقاداً اب وہ خود مسلمانوں پر حملہ کر جاتے ہیں۔ یہ آخری بات ان میں بڑے غلط طور سے داخل ہو رہی ہے۔ پہلے اس کا شائبہ بھی نہ تھا اور شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ایمان و اسلام کے تقاضے ان پر روشن نہیں تھے۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ اب ایسی کوئی کتاب ارسال فرمائیے جس سے حرام و حلال میں وہ ایسا امتیاز کرنے لگیں کہ رشوت سے باز آجائیں اور زبان جو تیز ہوتی جا رہی ہے، وہ قابو میں رکھیں۔ باقی اور اللہ کا فضل ہے۔ بحث یا زبانی چھیڑ چھاڑ میں کرنا نہیں چاہتی۔ بحث اور زبانی بات چیت میں خواہ مخواہ ہار جیت کا جذبہ اُبھر آتا ہے پھر مطلب حل نہیں ہوتا۔ رہی کتاب تو وہ ایک خاموش مبلغ ہے، اس سے لاکھ اختلاف یا اتفاق کرو کچھ بولتی ہی نہیں۔ کوئی خوش ہو،

تو کتاب چپ ہے، کوئی اس کی عبارت سے جزبز ہو تو وہ خاموش، لیکن اگر عبارت میں جان ہے تو وہ اپنا کام کر ہی جاتی ہے۔

میری رائے ہے کہ آپ کوئی ایسی کتاب بھیجیں جس میں رشوت کا رد عقلی دلائل سے کیا گیا ہو اور دوسری کتاب اس ڈھب کی ہو جس میں پیارے رسول کی دعوت کا طریقہ بیان کیا گیا ہو، کہ کس طرح حضورؐ نے صبر و ضبط سے دوسروں تک بات پہنچائی، یہ تو میری رائے ہے، ورنہ آپ خود مناسب سمجھ کر کتابوں کا انتخاب کریں گی۔ اور آپ کا انتخاب بہرحال میرے انتخاب سے بہتر ہوگا۔

آپ نے لکھا تھا کہ سلمیٰ کے دانت نکل رہے ہیں۔ اللہ اس کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آپ کے لکھنے کے مطابق شہد خالص بھیج رہی ہوں۔ رسید سے مطلع فرمائیے اور میرا اور ان کا سلام قبول فرمائیے۔ سلمیٰ کی خیریت سے جلد مطلع فرمائیے۔ جی لگا ہے۔ والسلام

آپ کی "بشریٰ"

چھٹا خط

مہربان آپا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

اب کے آپ کا خط رضیہ کے بھائی جان نے لا کر دیا۔ خط اور کتابوں کا بنڈل لیے ہوئے جلدی جلدی آئے۔ اندر آتے ہی پکار کر کہا "اے، کہاں ہیں آپ؟ یہ دیکھیے، آپ کی آپا کا خط آیا ہے۔ خط آپ کے نام ہے اور کتابیں میرے نام بھیجی ہیں۔"

میں بیٹھی رضیہ کو پڑھا رہی تھی، وہ آ کر میرے پاس تخت پر بیٹھ گئے۔ خط مجھے دے دیا اور کتابیں خود کھولنے لگے۔ میں بھی بنڈل کی ڈوریاں کھولنے میں مدد دینے لگی۔ شوق بھی عجیب جذبہ ہے۔ انھوں نے چٹ چٹ جھٹکے سے ڈوریاں توڑ ڈالیں۔ کتاب نکالی۔ ہاتھ میں لی، میں بھی دیکھنے لگی۔ کھولا تو انگریزی کی۔ میری طرف دیکھ کر قہقہہ لگایا، اور فرمایا 'کیا سمجھیں آپ؟ دراصل میں کچھ نہ سمجھ سکی، میں نے پوچھا "کیا نام ہے اس کتاب کا؟" کچھ گِٹ پِٹ گِٹ پِٹ نام بتایا، بھلا میں کیا سمجھوں۔ پوچھا "کِس موضوع پر ہے؟" کہنے لگے "آخرت کے متعلق ہے۔" اس کے بعد وہ اس کا شاید دیباچہ دیکھنے لگے اور میں نے

آپ کا خط پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ کہیں گی کہ لُشری تعریف کیے بغیر نہیں مانتی، مگر میں کیا کروں؟ مجبوراً منہ سے واہ نکل جاتی ہے۔ دراصل انھیں آخرت ہی کے متعلق کتاب کی ضرورت تھی، آپ کا انتخاب صحیح ہے۔ ارادہ ہے کہ میں بھی ان سے ترجمہ سُنوں، یقین ہے کہ خوب ہو گی۔ پھر انگریز مصنفین کے متعلق بھی بھائی جان کا کہنا یاد آ رہا ہے کہ وہ بغیر تحقیق اور دلیل کے کوئی بات تسلیم نہیں کرتے۔ اس کتاب کے متعلق ان کا خیال ہے کہ کوئی انگریز مصنف بھی کیا لکھ سکے گا۔

کتاب چونکہ اچھی خاصی ضخیم ہے، پڑھنے میں پندرہ بیس دن لگیں گے انھوں نے مجھے تو ابھی کچھ بتایا نہیں۔ بڑے غور سے دس بجے رات تک مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ کچھ نوٹ بھی لکھتے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی میں پوچھتی ہوں کہ کچھ مجھے بھی بتائیے تو کہہ دیتے ہیں "ذرا پہلے میں پوری کتاب پڑھ لوں۔" مجھ سے پوچھا "کیا آپا انگریزی بھی پڑھی ہیں؟" میں نے جواب دیا "انگریزی تو نہیں ایک حرف نہیں آتی۔ شاید بھائی جان نے منگائی ہو اور آپا نے آپ کے پاس بھیج دی۔" اس بات سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ کہنے لگے "کیا اچھے لوگ ہیں تمہارے گھر والے۔ اللہ انھیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے میرے دل کی ساری الجھنیں ختم ہو گئیں۔ میں سمجھتا تھا کہ "آخرت" محض ایک ڈھونگ ہے۔ مگر نہیں، وہ ایک حقیقت ہے۔ کاش کہ کوئی اس کا ترجمہ اُردو

ہندی اور دوسری زبانوں میں کر ڈالے تو عام لوگ بھی فائدہ اُٹھا سکیں اور دیکھیں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ کس قدر حقیقت پر مبنی ہے۔"

ان کی زبان سے یہ تقریر سُن کر میں پھولی نہ سمائی، خصوصاً جب انھوں نے یہ کہا کہ واقعی ہمارے پاس جو کچھ ہے سب اللہ کی امانت ہے، ایک دن ساری چیزوں کا حساب دینا ہوگا۔ میں نے کہا: "حساب کا کیا مطلب؟" کہنے لگے: یہ زبان جو اللہ میاں نے دی ہے، اس کا بھی حساب ایک دن زبان بخشنے والے کو دینا ہوگا۔ یہ ہاتھ اور پیر، یہ کان اور ناک، یہ دل اور دماغ، یہ گھر اور سامان، غرض کہ سارے کا سارا اسباب جو پروردگارِ عالم نے عنایت فرمایا ہے یہ دراصل ہمارا نہیں ہے، جس نے پیدا کیا ہے اس کا ہے، چند دن کے لیے ہمیں بطور امانت دے دیا ہے۔ دیکھو بڑی سخت آزمائش میں ہم سب انسان مبتلا کر دیئے گئے ہیں۔ جن کے رُتبے ہیں سوا، اُن کو سوا مشکل ہے۔ یہ جو انسان کو ذرا سا اختیار دیا گیا ہے یہ بے معنی نہیں ہے۔ جانوروں کی طرح نہیں، جو پیدا ہوئے، کھایا پیا اور مر گئے۔ نہ کچھ پوچھ گچھ نہ کوئی جانچ پڑتال۔"

آپا! وہ اس کتاب سے ایسا متاثر ہیں کہ ایک دن کوئی گیارہ بجے ہوں گے رات کے، ایک نیند سو کر جو میری آنکھ کھلی تو دیکھا، وہ سر پکڑے بیٹھے ہیں اور کہہ رہے ہیں "اے کاش کہ میں تنکا ہوتا اور تنکے کی طرح اپنی زندگی

ختم کر کے ختم ہو جاتا اور آخرت کی جواب دہی سے بچ جاتا۔"

اس رات میری نیند بھی اُچٹ گئی۔ وہ رات بھر بے چین رہے۔ بار بار سوتے میں چونک پڑے۔ صبح کو مجھ سے کہنے لگے "بُشریٰ! (میں نے آج پہلے پہلے ان کی زبان سے اپنا نام سُنا، سمجھ گئی کوئی خاص بات ضرور ہے میں ہمہ تن گوش بن گئی۔ ہاں، تو انھوں نے کہا) "بُشریٰ! اب کیا ہوگا؟" میں نے کہا "خیریت ہے، آج میں آپ کو بہت بے چین پاتی ہوں۔ کہنے لگے "جو کچھ مجھ کو معلوم ہے۔ اگر تم کو معلوم ہوتا تو تم روتیں، آٹھ آٹھ آنسو روتیں۔" میں نے پھر کہا "کچھ کہیے تو؟" فرمانے لگے "کیا کہوں؟ اللہ نے جو جو کچھ دیا اس کو کس طرح اس کی مرضی کے خلاف استعمال کیا۔ بشریٰ! ان ہاتھوں کو میں نے غلط استعمال کیا، ان پیروں سے اس طرف گیا جدھر جانے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ یہ زبان ہمیشہ اللہ سے بے خوف ہو کر قینچی کی طرح چلاتا رہا، ذہن سے جو کچھ سوچا اللہ کے خلاف سوچا، جو کچھ کیا نفس کی خاطر کیا۔ ہائے اب کیسے اس کی تلافی کروں۔؟"

آنسو اُن کی آنکھوں میں جھلکنے لگے۔ دیر تک ہم دونوں چپ بیٹھے رہے۔ رضیہ بے چاری کبھی مجھے دیکھتی کبھی انہیں۔ آخر اس سے رہا نہ گیا۔ مجھ سے پوچھنے لگی: "بھابی جان! بھائی جان آج کیوں رو رہے ہیں؟" میں نے چاہا کہ کچھ رضیہ سے کہوں کہ انھوں نے ہاتھ بڑھا کر اسے گود میں لے لیا۔ گلے

سے لگاتے ہوئے کہا "بٹیا! اللہ میاں ہم سے بہت ناراض ہوں گے۔"

بھائی کی زبان سے یہ سُنا تو رضیہ چمک کر بولی "تو اس میں رونے کی کیا بات ہے، توبہ کر لیجیے۔ بھابی جان نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ میاں بڑے اچھے ہیں، جب ان سے معافی مانگو تو معاف کر دیتے ہیں۔"

رضیہ کے یہ الفاظ وہ تھے جو میں اس سے اکثر کہا کرتی ہوں، سُن کر انھیں کچھ تسکین ہوئی، میری طرف دیکھا، میں نے نگاہ نیچی کر کے کہا "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ"۔ کہنے لگے: "سچ ہے"۔ اس کے بعد کیا ہوا، یہ اگلے خط میں لکھوں گی۔ میرا اور اُن کا سلام آپ کو اور بھائی جان کو قبول ہو۔

سلمیٰ کے دانت نکل رہے تھے۔ اس کی خیریت سے جلد مطلع کیجیے۔ والسلام

آپ کی خیریت کی طالب آپ کی "بُشریٰ"

ساتواں خط

آپا جان ! السلام علیکم

پرسوں جمعہ کو وہ کچہری نہیں گئے۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہا: "میں نے آج کی چھٹی لے لی ہے۔ ایک مشورہ تم سے کرنا ہے۔"

میں نے کہا: "فرمائیے، میں بالکل فارغ ہوں۔" کہنے لگے "وہ جو اُس دن ڈیڑھ سو روپے میں نے لاکر تمہیں دیئے تھے اور کہا تھا کہ دو سال کا مہنگائی الاؤنس ہے، دراصل یہ سب میرا جھوٹ تھا۔ یہ روپے ایک زمیندار سے رشوت میں ملے تھے۔ زمینداری جو ضبط ہوئی اس میں میں نے ڈیڑھ سو روپے لے کر مقدمہ کا کچھ کا کچھ کر دیا تھا۔ تحصیلدار صاحب کے دستخط کرالیے۔ اب ڈر رہا ہوں کہ تحصیلدار کو تو دھوکا دے دیا، مگر اللہ حاضر و ناظر تو میرے یہ سب کرتوت دیکھتا ہی رہا ہے، اس کے حضور تو کچھ چھپ نہیں سکتا۔ آخرت میں کھایا پیا سب اُگلوا لیا جائے گا۔ ہائے نہ جانے کتنا پیسہ لا کر میں نے تم کو "مزید محنت کا صلہ" کہہ کر دیا۔ حالانکہ وہ سب رشوت کے پیسے تھے۔ افسوس، میں نے تم کو بھی حرام کمائی کھلائی۔ خود گنہ گار ہوا، تم کو بھی لے ڈوبا۔ اب

کوئی ایسی ترکیب بتاؤ جو اس وقت رشوت کی تلافی کر سکوں۔ کاش کہ سب رکھا ہوتا، تو آج ہی جن جن سے لیا ہے، جا کر انھیں دے آتا اور معافی بھی مانگ لیتا۔ اب میں نے طے کر لیا ہے کہ ایک پیسہ ناجائز طریقہ سے گھر میں نہیں لاؤں گا۔ مگر تم بھی تیار رہو بس اسّی روپے میں ہی دال دلیا کھا کر اور موٹا جھوٹا پہن کر بسر اوقات کرنی ہوگی۔ میرا ساتھ نبھانا ہوگا، اور اگر نہیں، تو ابھی بتادو۔ نازوں کی پلی ہو، ایسا نہ ہو کہ آمدنی کی کمی سے ارمان پورے نہ ہوں۔ کھانے پہننے کو اچھا نہ ملے تو شکوہ کر بیٹھو اور پھر روز روز گھر میں چخ چخ مچی رہے۔"

انھوں نے یہ اور اسی طرح کی ایک لمبی تقریر کر ڈالی اور میرا یہ حال کہ خوشی کے مارے پھولی نہ سماتی تھی۔ جب وہ خاموش ہوئے تو میں نے کہا: "اس راہ میں میں آپ کا ساتھ مرتے مرتے دوں گی۔ اور دیکھیے گا کہ اس اسّی روپے میں اللہ تعالیٰ وہ برکت دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ مجھے بھی اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی کے سوا کچھ نہیں چاہیئے۔"

آپا! میرا یہ عزم دیکھ کر وہ اتنا خوش ہوئے کہ میں کیا عرض کروں۔ ہاتھ اٹھا کر زیرِ لب دعا مانگتے رہے۔ میرا خیال ہے کہ دعا میرے ہی حق میں تھی۔ پھر کہا: "مسلمان عورت کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔" اس کے جواب میں میں نے بھی یہی فقرہ یوں دہرایا "اور مسلمان مرد کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے۔" اس

کے بعد میں نے کہا: "ذرا ٹھہریے گا۔"

میں اپنا وہ بکس جا کر اٹھا لائی جس میں میں نے ان کی "مزید محنت کا صلہ" اکٹھا کر رکھا تھا۔ پوچھا "یہ کیا ہے؟" تو میں نے کہا "اس بکس میں وہ سانپ اور بچھو بند ہیں، جن سے آپ کانپ رہے ہیں، لیجیے، اور ان سب کو تباہ و برباد کر دیجیے۔ میں نے اسی دن کے لیے ان سب کو رکھ چھوڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، میں نے اس میں کا ایک پیسہ بھی نہ اپنے اوپر خرچ کیا، نہ رضیہ کو کچھ دیا، اور نہ اس سے کھانا پینا منگا کر رگوں میں حرام خون پیدا ہونے دیا۔"

"ایں، واقعی!" ان کی زبان سے نکلا اور ان کا منھ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "کمال کیا بشریٰ! تم نے، ارے تم تو فرشتہ نکلیں فرشتہ! واقعی تم نے وہ کام کیا جو بڑے بڑوں سے بھی نہ ہو گا۔ دیکھوں ذرا" یہ کہہ کر انھوں نے میری پیشانی چومنا چاہی۔ مگر میں نے کہا "اچھا، بس رہنے دیجیے۔ بہت داد مل چکی۔"

غرض کہ بکس کھولا گیا۔ ہزار سے اوپر رقم تھی۔ مشورہ ہونے لگا کہ اس کو کیا کیا جائے۔ دیر تک غور و خوض کرنے کے بعد طے پایا کہ جس سے جو لیا ہے اسے واپس کر دیا جائے جو یاد نہ آئے اس کا پیسہ غربا میں تقسیم کر دیا جائے لیکن چھپا کر۔ نام و نمود کے لیے نہیں بلکہ اللہ کی رضا کے لیے۔"

اب نہ مجھے ہی تاب تھی نہ انھیں ہی۔ نوٹوں کو جیب میں بھر کر اٹھے،

گھر سے نکل گئے۔ بڑی دیر کے بعد جب واپس آئے تو میں نے دیکھا کہ ان کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔

یہ پہلا انقلاب ہوا ہے ان میں۔ یہ آپ کی تین چار مہینوں کی محنت کا نتیجہ نکلا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے انھیں یہ توفیق دی۔ آئندہ جو کچھ ہوگا پھر لکھتی رہوں گی۔ بھائی جان کو بھی اس واقعہ کی اطلاع دے دیجیے گا۔ وہ بھی بہت خوش ہوں گے۔ سلمیٰ کو پیار۔ والسلام

آپ کی تربیت یافتہ "بشریٰ"

آٹھواں خط

آپا! میرا اور ان کا سلام قبول فرمائیے اور بھائی جان سے بھی کہہ دیجیے۔ اس مرتبہ آپ کے خط کے ساتھ بھائی جان کا خط "ان" کے نام بھی آیا۔ دونوں خطوں میں قریب قریب یکساں باتیں تھیں۔ رشوت سے پرہیز کرنے کی مبارکباد دینے کے بعد بھائی جان نے "ان" کی بڑی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ بھائی جان کا خط پاکر وہ بہت خوش ہوئے۔ کئی بار پڑھ چکے ہیں۔ شاید جواب بھی لکھ دیا ہے۔ بھائی جان سے پوچھیے گا۔ میرا خیال ہے کہ بڑے جذبات کا اظہار کیا ہوگا۔ اللہ انھیں دین پر جمنے کی طاقت بخشے۔ آج کل بڑے جوش میں ہیں۔

آپ نے بھی تحریر فرمایا ہے اور میں بھی اس فکر میں ہوں کہ زیادہ جوش و خروش اچھا نہیں ہوتا۔ ہر بات اعتدال پر اچھی ہوتی ہے، مگر میں اس وقت کچھ چھیڑنا نہیں چاہتی۔ بقول آپ کے جوش زیادہ دنوں تک نہیں رہتا۔ خود بخود اعتدال پر آجائیں گے۔ اب کے خط میں خانہ داری کے متعلق جو نصیحتیں آپ نے فرمائی ہیں ان سے مجھے آپ کی ساری تعلیم کی ہوئی باتیں

تازہ ہو گئیں۔ الحمد للہ میں اُن پر عامل ہوں۔

ہاں، آپ کا یہ خیال ٹھیک ہے کہ کچہری کے دوسرے ملازمین اب ان سے بھڑکیں گے۔ وہ ملی بھگت اب کیسے چل سکتی ہے؟ کھرا آدمی اپنی آن بان الگ ہی رکھتا ہے۔ ناظر تو ان سے حسد کرنے لگا ہے۔ چونکہ ان کے رشوت نہ لینے سے قریب قریب سارے ملازمین کی بالائی آمدنی پر کچھ نہ کچھ چوٹ پڑتی ہے۔ اس لیے اختلاف کا اندیشہ ہے۔ ایک دن خود بھی جھینک رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ان سب کا ساتھ اب کیسے نبھ سکے گا۔؟

"جی حضور" "غریب پرور" "اَن داتا" تو ملازمین کا تکیہ کلام ہوتا ہے۔ پھر حاکم بارہ بجے دن کو کہے "وہ چاند نکلا ہے" تو ماتحت تارے گننے لگتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ملازمت یوں بھی کوئی اچھا کام نہیں، اور پھر اس زمانے میں جب کہ کوئی محکمہ رشوت، جھوٹ، چاپلوسی، مکر و فریب، بے جا دباؤ سے خالی نہیں۔ کون حاکم ایسا ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہو، خدا کا خوف تو بڑی بات ہے، میں تو کہتی ہوں، ہر ایک خود خدا بن بیٹھا ہے اور اپنے ماتحت پر عہدے کے مطابق خدائی کر رہا ہے۔ اختر صاحب سے تو ایک آن نہ نبھے گی۔ لیکن میں کہوں گی نہیں، لطف جب ہے کہ وہ خود محسوس کریں اور انشاء اللہ محسوس کریں گے۔ بھلا ان سے یہ کھکھیڑ کب برداشت ہو گی۔ جمعہ کے دن کہہ رہے تھے کہ تحصیلدار سے نماز کے لیے جھڑپ ہو گئی۔ ان کی

نماز جا رہی تھی اور وہاں مقدمہ پیش تھا۔ جب وقت بالکل تنگ ہوگیا تو
حضرت اُٹھ کر چلے آئے۔ تحصیلدار نے مقدمہ روک دیا۔ مگر ان کا بیان ہے کہ
"بُرا بہت لگا اُس کو" عنقریب کوئی نہ کوئی الزام دھرا جائے گا اور انھیں
یا تو برخاست کر دیا جائے یا اُن سے استعفےٰ لے لیا جائے گا۔ خیر اچھا ہے،
کسی طرح ان کی یہ بیڑیاں کٹیں۔ اللہ رزاق ہے۔ ایک در بند ہوتا ہے تو
اللہ دوسرا پھاٹک کھول دیتا ہے۔ میرا تو یہی ایمان ہے۔

آپ ابھی سے مشورہ دیں کہ ملازمت سے برطرف ہونے کے بعد کونسا
ذریعہ معاش موزوں رہے گا۔ بھائی جان سے مشورہ کیجیے گا۔ بھائی جان
ایک دعوتی رسالہ نکالنا چاہتے تھے لیکن ہم خیال معاون نہ پاکر ہاتھ پیر باندھے
بیٹھے ہیں۔ میں سوچتی ہوں کہ مزدوری تو اُن سے ہوگی نہیں۔ ہنر کوئی ہاتھ
میں نہیں ہے۔ کچھ لکھنے پڑھنے کا کام ہوتا تو اچھا تھا۔ ورنہ راضی بہ رضا
آپ مجھے ہر حال میں پائیں گی۔ دعائے خیر سے یاد کرتی رہیئے گا۔ میرا خط
بھائی جان کو بھی دکھا دیجیے گا۔ سلمیٰ کو پیار۔ والسلام

راقمہ، آپ کی بہن۔ "بُشریٰ"

نواں خط

لیجیے آپا جان! ہمارا سلام قبول فرمائیے اور اب ہمارے لیے دل و جان سے دعاؤں پر دعائیں کیجیے۔ آزمائش کی گھڑی آگئی۔ اتوار کو وہ اور ان کے ماموں جان ساتھ ساتھ آئے۔ لیکن دونوں گُم صُم۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ کسی بات پر آپس میں کھچاؤ ہے۔ میں گھبرا گئی کہ اللہ جانے کیا بات ہے۔ اس سے پہلے جب کبھی ماموں بھانجے آئے تو ہنستے ہوئے۔ محبت اور خلوص کی باتیں کرتے ہوئے۔ آج کچھ دال میں کالا نظر آتا ہے۔ میں نے جھٹ میز کرسی ڈال دی، دونوں بیٹھے، میں چائے بنانے لگی۔ اب بھی دونوں خاموش اپنے اپنے خیالات میں محو۔ ماموں جان نے بس اتنا کیا کہ کچھ کیلے اور سیب لائے تھے۔ رضیہ کو بُلایا اُسے دے دیئے اور گود میں بِٹھا لیا۔ رضیہ نے دو چار کلمے منہ سے نکالے بھی مگر ماموں جان نے "ہوں، ہاں" کر دیا۔ رضیہ تھوڑی دیر میں اُکتا کر میرے پاس چلی آئی۔

میں نے چائے بنا کر پیش کی، پیالیوں میں انڈیلنے لگی تو ماموں جان نے کہا "میرے لیے مت بنانا، میں نہیں پیوں گا!" میں منہ دیکھ کر رہ گئی۔ آخر

میں نے ہمت کر کے پوچھا "ماموں جان! یہ آج آپ دونوں صاحب چُپ چُپ کیوں ہیں، خیریت تو ہے؟" ماموں بھرے بیٹھے ہی تھے، میرے اتنے کہنے پر اُبل پڑے، بولے "بیٹی! چُپ کیوں نہ ہوں، صاحبزادے کو دیکھیے، باپ کا انتقال ہو گیا، ماں بھی چل بسیں، میں نے پڑھایا، لکھایا، پالا پوسا، ہر جائز و ناجائز خرچ برداشت کیا، ہمیشہ آنکھ کا تارا بنائے رکھا، بہن کی یادگار کو کلیجے سے لگائے رکھا، ملازم رکھایا، شادی بیاہ کیا۔ اب جو صاحبزادے اس لائق ہوئے کہ کچھ کام آئیں تو دیکھو کیا حالت ہے، منھ پھلائے بیٹھے ہیں، مجھ پر وقت پڑا ہے، ان ہی کے یہاں مقدمہ ہے میرا، میں کہتا ہوں، ذرا یوں سے یوں کر دو تو فرماتے ہیں یہ سب فریب ہے، جھوٹ ہے، آج تک نہ جانے کتنا جھوٹ بول چکے ہیں، اب آج چلے ہیں بڑے سچّے بننے، ماموں کی گردن پر چھُری پھیر رہے ہیں۔ کیسا زمانہ آن لگا ہے۔ بیٹی! تم سمجھ دار ہو، ذرا سمجھاؤ تو انھیں، مجھ سے تو صاف انکار کر دیا۔ اللہ والے بننے کا دعویٰ فرماتے ہیں جناب۔ وہی مثل ہے نو سو چوہے والی۔ بیٹی! کیا کروں، چپ نہ ہوں تو کیا گلا کاٹ لوں اپنا۔ برابر کے ہو گئے ہیں، ان کے بچپن میں بھی آدھی بات نہیں کہی میں نے۔ مگر دنیا سُنے گی تو ضرور کہے گی۔ ماموں کے ساتھ بڑا سلوک کیا ہے۔ بچّہ بچّہ تھوکے گا منھ پر۔"

ماموں جان جوش میں یہ سب کچھ کہہ گئے۔ میں نے بیچ میں ٹوک کر پوچھا

"آخر بات کیا ہے؟" میرے اتنا کہنے پر رضیہ کے بھائی جان تڑپ کر بولے "بات یہ ہے کہ شکر کی بوریاں ناجائز طریقے سے غیر ضلع کو برآمد کر رہے تھے، پکڑے گئے ہیں، تو کہتے ہیں مثل غائب کر دو۔ چند ٹکوں کا نقصان گوارا نہیں، مجھ سے فریب کرانا چاہتے ہیں۔ میرے ذریعہ تحصیلدار کو رشوت دلانا چاہتے ہیں، جھوٹ بلوانا چاہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں مانا، یہاں سب سے چھپ کر جھوٹ اور فریب میں کامیاب ہو گئے تو کیا؟ آخر ایک دن اللہ تعالیٰ کو بھی منہ دکھانا ہے۔ بس میری اتنی سی بات پر یہ سارا غصہ ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ میں نے اللہ کی طرف قدم بڑھایا تھا تو بزرگ حوصلہ افزائی فرماتے۔ اُلٹے طعن و تشنیع کر رہے ہیں۔"

آپا! دونوں طرف برابر آگ لگی ہوئی دیکھ کر مجھ کو پسینہ آگیا۔ ماموں جان تو خیر "اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ، انھیں کیا کہیے" مگر ذرا ان حضرت کو ملاحظہ فرمائیے، آخرت کا ڈر سوار ہوا تو گویا دماغی توازن بگڑ گیا۔ آخر بات قرینے سے کہی جاتی ہے یا یوں توپ کے گولے پھینکے جاتے ہیں۔ اسی کا مجھے ڈر تھا۔ اب بتائیے کیا ہو؟ خیر میں نے اس دن تو کسی طرح ٹال دیا۔ اب نانا جان نے ایک صاحب سے زبانی کہلوایا ہے، لیکن یہ اپنی ضد پر ہیں۔ میں اگرچہ انہی کی بات کو ٹھیک سمجھتی ہوں مگر یہ تیور خطرناک ہیں۔ اللہ کی رضا اور آخرت کے ڈر کے یہ معنی نہیں کہ لڑائی مول لے لی جائے۔ اسی بات کو ذرا نرمی اور قول احسن کے ساتھ کہتے تو معاملہ رفع دفع ہو سکتا تھا مگر معاملہ طول پکڑ گیا۔ اب ازالہ کیسے ہو۔

اگلے ہفتہ پیشی ہے۔ ماموں جان اس پر تُلے ہیں کہ اگر مقدمہ موافق نہ ہوا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناطے داری ختم۔ پاس پڑوس اور بستی میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئی ہیں۔ لوگ زیادہ تر ماموں جان ہی کی سی کہتے ہیں۔ آوے کا آوا تو بگڑا ہوا ہے، تقویٰ بھلا اس ماحول میں کیسے قابلِ قبول ہوگا؟

اگر میں اس وقت سمجھاتی ہوں کہ اپنا رویہ ذرا نرم کرو۔ دین کی بات کہنے کا بھی ایک ڈھنگ ہوتا ہے، مخاطب کا مزاج بھی پرکھا جاتا ہے۔ تو مانیں گے نہیں۔ قصّہ مختصر یہ کہ سخت الجھن میں ہوں۔ آج میں نے پوچھا تو کہا کہ "میں ایک ہفتے کی چھٹی لے لوں گا۔ پیشی کے دن جاؤں گا ہی نہیں۔ میری عدم موجودگی میں جو کچھ ہونا ہے ہو جائے گا۔ اللہ اللہ خیر صلّا۔" اب دیکھیے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے؟ ماموں جان سے بگاڑ مول لینے سے جو کچھ ہوگا وہ میرے سامنے ہے۔ آن بان کے آدمی ہیں۔ اللہ خیر کرے۔ اگر انھوں نے چُھٹی لے لی تو میں مشورہ دوں گی کہ چلو آپا کے یہاں دو چار دن کے لیے ہو آئیں۔ بھائی جان سے سارا حال کہہ دیجیے گا۔ سلمیٰ کو دُعا۔

مبتلائے کشمکش، آپ کی "بُشریٰ"

دسواں خط

اچھی آپا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

آپ کے یہاں سے آئے ہوئے ایک ہفتہ ہوگیا۔ آپ کے یہاں کا قیام ہمارے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔ بھائی جان کی صحبت میں وہ بہت کچھ سیکھ کر واپس ہوئے۔ اب وہ تیزی اور طراری نہیں رہی۔ کہتے ہیں کہ "بھائی صاحب بڑی سوجھ بوجھ کے آدمی ہیں اور آپا جان بھی نہایت دُور اندیش خاتون ہیں۔ ان دونوں کی صحبت بسا غنیمت ہے۔ چھ سات ہی دن کے اندر میں نے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے کہ نیک لوگوں کے ساتھ چند دن کی صحبت برسہا برس کی کتابی تعلیم سے ہزار گنا بہتر ہے۔"

میں دیکھتی ہوں کہ وہ جس طرف جھکتے ہیں بس انتہا کر دیتے ہیں۔ شاید اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ ایک انتہا پسند آدمی ہیں لیکن امید ہے کہ اب کچھ ٹھہر ٹھہر کر معاملہ کو سمجھنے لگیں گے۔ بھائی جان نے جو کتابیں دی ہیں وہ سب معرکۃ الآرا اور چیدہ کتابیں ہیں۔ روز مجھے پڑھ کر سناتے ہیں،

سمجھاتے ہیں، گویا درس دیتے ہیں۔ کل کہہ رہے تھے کہ "یہ اُردو اور انگریزی کے پوتھے کے پوتھے پڑھتا چلا جا رہا ہوں، مگر وہ ذہن نہیں بنتا جو بھائی جان کا ہے۔ ارادہ ہے کہ "ام الکتاب" ہی کی کیوں نہ اسٹڈی کروں۔"

اسٹڈی کے معنی پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ عربی زبان سیکھ کر اسی کے ذریعہ قرآن کریم سمجھنا چاہتے ہیں۔ کتنا مبارک ہے یہ خیال! آدمی دُھن کے پکّے ہیں۔ امید تو ہے وہ کامیاب ہوں گے۔ کہتے تھے کوئی ایسا عربی داں مل جائے جو نئے طریقۂ تعلیم سے واقف ہو تو بہتر ہے ورنہ فَعَلَ فَعَلَا فَعَلُوا کون رٹے گا۔

یہ تو ہوئی ان کی بات۔ اب سنیے ماموں کا قصہ۔ انھوں نے جب سُنا کہ اختر نے چھٹی لے لی ہے تو ان کی بن آئی۔ سُنا ہے کہ قائم مقام پیشکار سے تین سو روپے پر سودا ہو گیا۔ اللہ جانے۔ بہرحال ماموں جان کو کچھ ہوا دوا نہیں۔ ماموں جان اور نانا جان نے کہلا بھیجا ہے کہ بس دیکھ لیا۔ اب کبھی تمہارے گھر کی طرف رُخ بھی نہ کریں گے۔

اس کے بعد ہمارے محلے والوں کو بھی بھڑکا دیا۔ پرسوں سے روزانہ ڈھیلے آتے ہیں۔ تین گھڑے ایک دن ٹوٹے۔ کھڑکی کا شیشہ چُور چُور ہو گیا۔ وہ تو کہیے جاڑے ہیں ابھی، ہم لوگ صحن میں نہیں سوتے ہیں ورنہ چوٹ کھانے سے نہ بچتے۔

پھر کچھ ایسا ہوا کہ محلے والوں کو ایک موقع ہاتھ آ گیا۔ وہ جو "داتا میاں" کا مزار ہے نا! اب کے ان کا عرس بڑی دھوم سے منایا گیا۔ کلکتے سے کالو قوال کو بلایا گیا۔ لکھنؤ سے زہرہ جان طوائف آئی۔ اس کے لیے اختر صاحب سے جو چندہ مانگا گیا تو انھوں نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ لوگوں نے بہت کہا سنا، مگر تا صاحب، گھر سے ہی نہ نکلے۔ بس پھر کیا تھا۔ ذرا ماموں نے شہ دے دی۔ اہل محلہ ٹوٹ پڑے ہمارے اوپر، وہ تو کہیے میں صدر دروازہ ہر وقت بند رکھتی ہوں ورنہ بے پردگی بھی ہوتی اور سامان کا بھی ستیاناس ہوتا۔ سب باہر ہی کھڑے وہابی، کنجوس اور اسی طرح کے خطابات کی بوچھار کرتے رہے۔

آپ کے یہاں سے آنے کے بعد اب "ان" میں سلامت روی بہت کچھ آگئی ہے۔ چپکے اندر کمرے میں لیٹے رہے اور کہا "بکنے دو سب کو" میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ رضیہ بے چاری ایک طرف سہمی ہوئی تھی۔ پوچھتی تھی "یہ سب لوگ گالیاں کیوں دے رہے ہیں؟" ایک گھنٹے کے بعد یہ بادل چھٹے۔ سونے کے لیے ابھی اپنی اپنی چارپائی پر لیٹے ہی تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ ہم سب چونکے، وہ چلے دیکھنے۔ میں نے منع کیا۔ بولے: "کھولوں گا نہیں، دیکھوں ہے کون؟" کواڑ کے پاس کہنے لگے "کون ہے؟" آواز آئی، "ہم ہیں رحمت اللہ اور عابد خاں۔" پوچھا: "کیوں آئے؟" کہنے لگے: "کواڑ کھولیے، اندر آ کر بتائیں گے۔"

کواڑ کھول دیے گئے، وہ دونوں اندر آ گئے۔ میں پردے میں تھی
ہی معلوم ہوا کہ "آج یہاں کوئی چوری یا ڈاکہ کچھ نہ کچھ واردات ہونے والی
ہے۔ ہم نے چپکے سے کوتوالی کو خبر کر دی ہے۔ ارادہ ہے کہ ہم گھر میں چھت کے
اوپر رہیں اور آپ سب کی حفاظت کریں۔"

شکریے کے ساتھ ان کا کہنا مان لیا گیا۔ میں نے ان دونوں کے متعلق
دریافت کیا تو بتایا کہ یہ دونوں بے چارے ان لوگوں میں سے ہیں جن کو میں نے
اپنی رشوت سے "توبۃ النصوح" کے بعد کام کاج سمجھ کر تین تین سو روپے دے
دیئے تھے۔ اب یہ اسی سے اچھا خاصا کما لیتے ہیں اور بال بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔

ہم سب چوکنا ہو ہی گئے تھے۔ رات بھر جاگتے رہے۔ پچھلے پہر آخر آنکھ
لگ ہی گئی، ابھی اچھی طرح سوئے نہ تھے کہ ایک دم "وہ" ہاؤ کر کے جاگے،
میری آنکھ کھُل گئی۔ رضیہ بھی چونک اُٹھی۔ معلوم ہوا کہ مظفر اور جنگی خاں کو
رحمت اللہ اور عابد خاں نے پکڑ رکھا ہے۔ وہ دونوں منتیں کر رہے ہیں۔ میں
نے اُٹھ کر رضیہ کے بھائی جان سے کہا "میرا خیال ہے کہ یہ دونوں چور یا
ڈاکو نہیں ہیں۔ کسی نے لالچ دے کر بہکا دیا ہے۔ انھیں معاف کر دیجیے۔
اللہ مالک ہے، کوتوالی نہ لے جایا جائے۔"

میرا اشارہ پا کر دونوں کو چھوڑ دیا گیا۔ دونوں نے بہت احسان مانا۔
کہنے لگے: "ہم تو آپ کی جان لینے آئے تھے۔ مگر اب تو ہم بے داموں غلام ہیں۔

آپ کا بڑا احسان ہے، اللہ نے چاہا تو خدمت کر گزریں گے۔"

خیر، جوں توں کر کے رات آنکھوں میں کٹی، دوسرا دن ہوا، خیال تھا کہ شاید محلے والے کچھ دون کی لیں۔ مگر رضیہ کے بھائی جان مسجد بھی گئے۔ سودا سلف بھی لائے۔ کسی نے لٹو کا تک نہیں۔ ہم لوگوں نے خیال کیا کہ "شاید عابد خاں اور رحمت اللہ یا جنگی خاں اور مظفر نے کچھ دھونس دے دی ہو۔"

آپا! یہ معاملہ تو خیر ٹل گیا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ اب دیکھیے کیا ہونا ہے۔ انھوں نے توبہ کیا ہے کہ ان چاروں دوستوں کو اب روز اپنے کمرے میں بلاتے ہیں اور اپنی پسندیدہ کتابوں میں سے کچھ انھیں سناتے اور سمجھاتے ہیں۔ توحید اور توحید کے تقاضوں پر بڑا زور دیتے ہیں۔ امید ہے کہ یہ چاروں بھی کچھ نہ کچھ دین کی باتیں سمجھ جائیں گے۔ عصر و مغرب کے درمیان مدرسۂ اسلامیہ میں جا کر مولانا سے آدھ گھنٹہ عربی پڑھتے ہیں۔ آپ بھی دعا کرتی رہیے۔ والسلام۔ گھر میں سب کو درجہ بدرجہ سلام کہہ دیجیے گا۔

آپ کی "بشریٰ"

گیارہواں خط

آپا جان! السلام علیکم

آج کل وہ عربی پڑھنے میں تن من سے لگے ہوئے ہیں۔ مولانا بڑی محبت اور محنت سے پڑھاتے ہیں اور دین کی باتوں پر بحث بھی اس خوبی سے کرتے ہیں کہ اختر صاحب کے اندر کی صلاحیت رفتہ رفتہ اُبھر رہی ہے۔ کچھ تو آپ کے یہاں کی کتابوں نے اُبھار ہی دیا تھا۔ مگر اب تو بہترین تربیت ہو رہی ہے۔ سب سے زیادہ جس بات سے اصلاح ہو رہی ہے وہ اہلِ محلہ کے اعتراضات ہیں۔ داتا میاں کے عرس میں ناچ اور گانے کی مخالفت کر کے جو چندہ نہیں دیا تو اب جسے دیکھیے، کوئی نہ کوئی اعتراض اُلٹا سیدھا جڑ ہی بیٹھتا ہے۔ میرے سامنے اکثر تذکرہ آتا ہے۔ اب میں نے بھی کچھ کچھ اپنی رائے کا اظہار شروع کر دیا ہے۔ ایک دن وہ اہلِ محلہ کا شکوہ کر رہے تھے کہ عجیب لوگ ہیں، جب میں دنیا کی ہر خرافات میں حصّہ لے رہا تھا تو کسی کو توفیق نہ ہوئی کہ ٹوکتا اور منع کرتا۔ دن میں سو جھوٹ بولا تو کسی کے کان پر جُوں تک نہ رینگی۔ ہفتے میں دو، دو دن مستقل طور سے سینما کا پروگرام رہا، کسی کی زبان سے ایک بول بھی نہ پھوٹا،

رشوت لے لے کر حرام کمائی حاصل کرتا رہا، کسی نے جرأت نہ کی کہ زبان ہلا دیتا۔ آج جبکہ میں اسلامی تعلیمات کے سانچے میں اپنے کو ڈھالنے کی کوشش کر رہا ہوں تو چاروں طرف سے سبھی پل پڑے جیسے الف کے نام لٹھ نہیں آتا، وہ بھی ایک نہ ایک اعتراض کر رہا ہے۔ کوئی کہتا ہے "بڑے مولوی بنے ہیں، اب تک جو کچھ سارے مسلمان کرتے چلے آرہے ہیں، اُسے غلط سمجھ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا رہے ہیں۔" کوئی کہتا ہے: "کیا باپ دادا سب بے وقوف تھے؟ کیا اسلامی کتابیں پہلے نہ تھیں، کیا پہلے پڑھے لکھے لوگ نہ تھے، کسی نے آج تک شادی بیاہ کی رسموں کو منع نہ کیا۔ عقیقے اور ختنے کی دھوم دھام کو نہ روکا، اب یہ کہاں سے آئے ہیں نئے مولوی بن کے۔" کوئی کہتا ہے: "نو سو چوہے کھا کر بلّی حج کو چلی۔" کوئی کہتا ہے: "اچھا یہ سب صحیح۔ مگر کیا داڑھی منڈانا حرام نہیں؟ کیا کوٹ پتلون اور ہیٹ پہننا جائز ہے؟ کیا تاش کھیلنا شرعاً درست ہے؟" وغیرہ وغیرہ۔ غرض کہ جتنے مُنھ اتنی باتیں ـــــ

اپنے پیارے شوہر کو ان بوچھاروں میں گھرا دیکھ کر ایک دن میں نے ہمت کی، جرأت کر کے مختصر سی تقریر کر ہی ڈالی۔ میں نے کہا: "اصل میں یہی وہ مقام ہے جہاں آ کر یا تو انسان فیل ہو جاتا ہے اور پھر اسی مقام پر پلٹ جاتا ہے جہاں سے چلا تھا۔ بلکہ فیل ہوتے پر اس مقام پر بھی قائم نہیں رہتا،

پست سے پست ترین جگہ جا پہنچتا ہے یا پھر عوام کے طعنے تشنے ٹھنڈے دل سے برداشت کرلیتا ہے، برداشت ہی نہیں کر لیتا بلکہ دیکھتا بھی ہے کہ ان میں کہاں تک اصلیت ہے اور پھر اپنے میں جو بُرائی پاتا ہے اُسے دُور کرتا رہتا ہے۔ تو یہی طنز کرنے والا ماحول ایک مصلح بن جاتا ہے اور مار مار کر بچی کھچی خامیوں کو دُور کر دیتا ہے۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایک ایک عیب کی نشاندہی کرتا ہے۔ ناصحِ مشفق نہ سہی ناصحِ غیر مشفق سہی، مگر اس دوست سے اچھا ہے جو خوبیاں بتا بتا کر نفس کو موٹا کر دیتا ہے۔

اصل میں یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تربیت کا بہترین ذریعہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فرماں بردار بندوں کی اسی طرح خامیوں کو دُور کراتا ہے۔ اگر انسان سنجیدگی سے جھیل لے جائے تو اس بھٹی سے نکل کر کندن ہو جاتا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کو بھی ستایا گیا۔ صحابۂ کرامؓ، اولیائے کرامؒ سب اسی بھٹی میں تپائے گئے اور جب پارس ہو گئے تو پھر ان ہی سے اسلام کو وہ تقویت پہنچی جو لشکرِ جرار سے نہ پہنچی۔ لہٰذا ایسے سخت ماحول کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سمجھنا چاہیئے۔ جو بے پیسے کوڑی ہمارے عقائد کا زندہ اشتہار ہے۔ ہمارے عیبوں سے ہمیں خبردار کر رہا ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم آگے بڑھیں یا گھبرا کر پیچھے ہٹ جائیں۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

ناگوارا کو جو کرتا ہے گوارا انساں زہر پی کر مزۂ شیر و شکر لیتا ہے

میری یہ تقریر" انھوں نے "غور سے سُنی، بہت متاثر ہوئے، مسکرائے، پھر حیرت سے کہنے لگے" اے بی مُلّانی! تم میں یہ جوہر بھرے پڑے ہیں!! میں نے تمہاری قدر ہی نہ جانی، میں تمہاری ہی وجہ سے ذرا دبکتا تھا۔ اب جب تم ہی حوصلہ بڑھا رہی ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ قدم پیچھے پڑتے نہ دیکھو گی۔ واقعی جیسا لوگ کہتے ہیں، مجھ میں کچھ خامیاں بھی ہیں، مثلاً یہی کہ میرے چہرے پر داڑھی نہیں ہے، مثلاً یہ کہ میں اعتراض کی بوچھار سے جھلّا اُٹھتا ہوں، مثلاً یہ کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو جو مجھ سے کسی وجہ سے خفا ہیں، ہنوز منا نہیں سکا ہوں، مثلاً یہ کہ اسلامی تقاضوں کو سمجھنے کے بعد ذرا فخر سا محسوس کرنے لگا ہوں اور خود مسلمانوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا، اللہ نے چاہا تو اب میں اسی وقت سے اپنا رویہ تبدیل کردوں گا۔ چھوٹا بڑا، امیر غریب، پڑھا اور اَن پڑھ سب سے برابری کا برتاؤ کروں گا۔ حتی الامکان پہلے سلام کروں گا۔ جس طرح بنے گا حدود اللہ کا خیال رکھتے ہوئے رشتے داروں کو بھی مناؤں گا، اور سُنتی ہو بُشریٰ! سوچ رہا ہوں کہ اب داڑھی بھی ....."

آخری جملہ انھوں نے پورا نہیں کیا۔ اپنے گالوں پر ہاتھ پھیرا، کہنے لگے "لاحول ولا قوۃ! کس قدر کھُرچا ہے ان کی کھال کو" لفظ "کھرچنے" پر میں مسکرائی وہ بھی مسکرادیئے۔

ایک ہفتہ ہوا ہے، داڑھی میں اُسترا نہیں لگا۔ خوب بھری بھری ہے

ان کی داڑھی۔ مجھے تو بڑی خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ سرخ وسفید چہرے پر سیاہ داڑھی بڑی بھلی لگتی ہے۔ کل اتوار کو مولانا کی دعوت تھی۔ انھوں نے بھی سبحان اللہ کہا۔ آپا! دیکھا آپ نے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب تک آدمی عمل کے میدان میں نہیں اُترتا، اس میں جماؤ نہیں ہوتا۔ آپ دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین پر جمنے کی قوت عطا فرمائے۔ رضیہ قاعدہ ختم کر کے ریڈر شروع کر چکی ہے۔ یہاں سب لوگ وہاں سب لوگوں کو سلام کہتے ہیں۔ والسلام

"بُشریٰ"

بارہواں خط

آپا جان ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

اب کی بار آپ کے خط کا انتظار ہی رہا۔ لیکن بھائی جان نے اپنے ہم زلف کے پاس جو خط بھیجا' وہ گویا آپ کے خط کا قائم مقام ہو گیا۔ اسی خط سے معلوم ہوا کہ اختر صاحب یہاں ملازمت چھوڑنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ شاید بھائی جان کو انھوں نے لکھا ہو' اسی کا جواب آیا ہے' مجھے دکھا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ بھائی صاحب نے کوئی مشورہ نہیں دیا' گول مول سی بات کہہ دی۔ لکھا ہے "بھئی ملازمت چھوڑنے کے بارے میں میں کیا بتاؤں۔ یا تو اِدھر یکسو ہونا ہے یا اُدھر۔ ہاں ! اپنا دل ٹٹولو' دیکھو وہ کیا فتویٰ دیتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ملازمت چھوڑنے کے بعد کوئی پریشانی ہو اور اس کا مقابلہ نہ کر سکو تو پھر بڑا بُرا اثر پڑے گا' اس میں کوئی دوسرا کیا رائے دے سکتا ہے؟"

بھائی جان کی یہ عبارت ہے تو دُور اندیشی پر مبنی' مگر اس سے انھیں تسکین نہیں ہوئی۔ وہ ملازمت سے بیزار ہو چکے ہیں۔ کہتے ہیں: "جب سے رشوت لینا بند کی ہے تب سے سارا اسٹاف مخالف ہو گیا ہے۔ وجہ ظاہر ہے' سب کو

لحاظ کرنا ہی پڑتا ہے۔ وہ تو کہیے اللہ حافظ و نگراں ہے، ورنہ اب تک ذلت کے ساتھ برخاست ہو جاتے۔ ایک معاملہ تو ایسا آچکا ہے کہ یار لوگوں نے بالکل پھانس ہی دیا تھا، مگر چونکہ ڈپٹی کمشنر کے علم میں سارا واقعہ تھا اس لیے کچھ نہیں ہوا، تحصیلدار تک نے مخالفت میں رپورٹ دی تھی، اس سے بری ہونے کے بعد اب انھیں عدالت پر جانا گوارا نہیں۔ کہتے ہیں کہ بہت سے مقدمے غلط فیصل ہو جاتے ہیں۔ دل پر بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ جب سے داڑھی کا اہتمام کیا ہے تب سے گویا بھڑوں کے چھتّے کو چھیڑ دیا گیا۔ لطف یہ ہے کہ کہتے سب یہی ہیں کہ واقعی اختر صاحب میں جو انقلاب ہوا ہے، بہترین ہے، مگر آج کل کی دنیا میں نبھ نہیں سکتا۔ افسوس تو یہ ہے کہ مسلمان کلرک مخالفت میں زیادہ پیش پیش ہیں۔ ہندو تو پھر کچھ رعایت کر جاتے ہیں۔ شاید مسلمان کلرکوں کو پیشکار کے آئینے میں اپنی صورت وہی دکھائی دے رہی ہے جو وہ ہیں۔

میرے سامنے جب انھوں نے یہ سارا رونا رویا تو میں نے صاف کہہ دیا: ماریئے گولی ملازمت کو، اللہ رزاق ہے۔ وہ ایسے طریقے سے روزی بھیجے گا جو انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ نہ سہی زیادہ سفید پوشی، بنیادی ضرورتیں بہرحال پوری ہوں گی۔ جو لوگ ملازم

سہیں ہیں کیا اُن کی بسر اوقات نہیں ہوتی ؟

رضیہ کے بھائی جان ایک طرف میری باتیں سُنتے ہیں تو کچھ ڈھارس ہوتی ہے۔ مجھ سے کہہ دیتے ہیں کہ بس اب استعفیٰ دے دوں گا۔ لیکن جب گھر سے نکلتے ہیں، یار دوستوں سے مشورہ کرتے ہیں تو پھر ارادہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ سوچتی ہوں کہ مولانا کو چائے پر بُلاؤں اور ان سے مشورہ کیا جائے۔ امید تو ہے کہ وہ ضرور کوئی نہ کوئی ایسی مضبوط بات فرمائیں گے کہ اختر صاحب یکسو ہو سکیں۔

ہاں! یہ ضروری تھا کہ آپ اور بھائی جان آئندہ کے لیے ہمارے لیے کوئی پروگرام ضرور بتاتے۔ آخر ایک دن یہ ہونا ہی ہے۔ اگر" وہ" ملازمت نہ چھوڑیں گے تو انشاء اللہ ملازمت انھیں چھوڑ دے گی۔ تب آپ لوگ رائے دیں گے! آخر اور کس سے ہم لوگ مشورہ کرنے جائیں گے۔ عابد خاں اور رحمت اللہ کہتے ہیں کہ" ہماری دُکان حاضر ہے۔ ہے تو آپ ہی کی جوتیوں کا صدقہ جس طرح چاہیئے، دکانداری کیجیے۔ ہم کو غلام سمجھیے۔"

عابد خاں اور رحمت اللہ صاحب کا شکریہ انھوں نے ادا کیا۔ غیور طبیعت کے آدمی سے یہ ہو بھی کب سکتا ہے؟ میری سمجھ میں چند تجویزیں آئیں اور میں نے اُن کے سامنے پیش بھی کر دیں۔ ایک تجویز تو یہ ہے کہ

بھائی جان اور وہ مل کر ایک رسالہ نکالیں جس کا مقصد دین کی صحیح تبلیغ ہو۔ بھائی جان عرصہ سے سوچ بھی رہے ہیں۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ میں اپنا زیور بیچ ڈالوں، ہزار پانچ سو کا بہرحال ہے ہی، اس سے جو رقم دستیاب ہو دکانداری میں لگائی جائے اس پر وہ راضی نہیں ہیں۔

میری تیسری تجویز یہ ہے کہ نور پور کو خیرباد کہہ کے لکھنؤ جا بسائیں اور جب تک کوئی ڈھنگ کا کام نظر نہ آئے۔ ٹیوشن کریں۔ نور پور چھوڑنے کو وہ تیار نہیں ․․․․ کہتے ہیں: "ہم سب پر سب سے پہلے نور پور کا حق ہے، ہم کو چاہیئے کہ دین کی تبلیغ یہیں جم کر کی جائے۔"

میری تجویزیں ان کے لیے ناقابلِ قبول ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ پھر کیا کریں گے؟ کوئی تجویز چونکہ ان کے ذہن میں نہیں ہے اس لیے شاید نوکری سے استعفیٰ دیتے ہوئے جھجکتے ہیں۔ لیکن ہیں عجیب کشمکش میں۔ کہتے ہیں کہ کچہری کے اندر جا کر قدم رکھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا انگاروں پر پاؤں رکھ دیا ہے۔

آپا! یہ ہے ہمارے سامنے اس وقت سب سے بڑی گتھی جو سُلجھائے نہیں سُلجھتی۔ سلجھے کیا! سب کچھ سہی لیکن رضیہ کے بھائی جان کا ذہن ہے ابھی کچا۔ مجھے تو کسی کا وہ مصرع یاد آرہا ہے ؎

جس نے لگائی ایڑ وہ خندق کے پار تھا

باقی سب خیریت ہے۔ اب میرے گھر پر رضیہ کے علاوہ پڑوس کی ۲ دو اور لڑکیاں پڑھنے آنے لگی ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ اب ہمارا پڑوس کچھ کچھ ہم سے متفق ہونے لگا ہے۔ اُن کے ہمدردوں میں بھی دو کا اضافہ اور ہو گیا ہے۔ اپنی خیریت سے جلد مطلع فرمائیے۔ والسلام

مبتلائے کشمکش، آپ کی "بُشریٰ"

تیرھواں خط

اچھا آپا! یہ بات تھی ؟ میں حیران تھی کہ آخر آپ اور بھائی جان ملازمت کے چھوڑنے اور نہ چھوڑنے کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کیوں نہیں کرتے ہیں اور اس کا فیصلہ رضیہ کے بھائی جان کی مرضی ہی پر کیوں چھوڑ دیا ہے، آپ کا یہ خط آنے پر اب میں سمجھی کہ بھائی جان نے صاف صاف کیوں نہیں لکھا کہ "استعفٰی دے دو" سچ مچ دور اندیشی سے ہمیشہ کام لیتے رہنا چاہیئے۔ آپ کا یہ خیال صحیح ہے کہ زندگی میں اگر کسی نے کوئی قدم اٹھا دیا اور پھر نبھا نہ سکا تو اس کے اثرات بُرے پڑتے ہیں پھر تو انسان اس مقام پر نہیں جم پاتا، جہاں سے چلا تھا۔ رضیہ کے بھائی جان کا یہ عالم ہے کہ بات بات میں ملازمت کی بُرائیاں تو کرتے ہیں، مگر ابھی تک اسی سے چمٹے ہیں۔ ایک بار تو میرے جی میں آیا کہ کہہ دوں، جو زیادہ تر گرجتے ہیں وہ اکثر کم برستے ہیں، مگر پھر یہ سوچ کر چپ رہی کہ کہیں طنز یہ نہ ہو جائے بیں اتنا خط لکھ چکی تھی کہ "وہ" آگئے، کچہری کے وقت سے پہلے آتا دیکھ کر مجھے تعجب ہوا، میں نے خط لکھنا بند کر دیا۔ وقت سے پہلے آنے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے "میں نے سال بھر کی چھٹی لے لی ہے"، میں نے پھر پوچھا: "کیوں ؟" بولے: اس عرصہ میں

ہاتھ پیر مار کے قسمت آزماؤں گا اور ۔ ۔ ۔ ” وہ کچھ اور کہنا چاہتے تھے کہ بات کاٹتے ہوئے میں نے کہا: ” اور اگر اس عرصہ میں سونے کی چڑیا ہاتھ لگ گئی تو پھر استعفا ورنہ پھر وہی ہم ہیں، وہی دن، وہی راتیں ہیں —— آپ اقبال کا وہ کون سا شعر پڑھا کرتے ہیں؟ بھلا سا ہے، ایک مصرع تو مجھے یاد ہے۔ ”آہ یہ عقلِ زیاں اندیش کیا چالاک ہے“۔ دوسرا مصرع جانے کیا ہے؟ ہاں یاد آگیا، ”اور تاثر آدمی کا کس قدر بیباک ہے“۔ اس کا مطلب کچھ اس طرح بتایا تھا آپ نے کہ انسان ”اس سوچ میں پڑ کر کوئی بڑا اقدام نہیں اُٹھا پاتا کہ کہیں نقصان اور گھاٹا نہ ہو جائے۔ لیکن مومن یہ نہیں سوچتا۔ یہی بتایا تھا نا آپ نے!

میں نے ان کی نظر سے نظر ملا کر روا روی میں فرفر یہ جملے اور مصرعے کہہ ڈالے انھوں نے سُنا، کچھ کہنا چاہتے تھے مگر کہہ نہ سکے۔ ہونٹ کپکپا کر رہ گئے۔ پلنگ پر جا لیٹے میں کھانا پکانے لگی۔ مغرب سے پہلے کھانا تیار کر دیا۔ پھر اُن کے پاس گئی تو دیکھا کہ وہ ایک صاف اور اچھے سے کاغذ پر انگریزی میں کچھ لکھ رہے ہیں، آہٹ پا کر ایک نظر مجھے دیکھا اور پھر لکھنے لگے۔ لکھ چکے تو کاغذ موڑ کر لفافے میں رکھا، میں نے پوچھا: ”کیا بھائی جان کو خط لکھا ہے؟ میرا بھی سلام لکھ دیجیے۔“ کہنے لگے: ”بھائی جان کو نہیں ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں جا رہا ہے یہ لفافہ۔“ میں نے پھر پوچھا: ”کیا ہے اس میں؟“ فرمایا: ”استعفا“ اور لفافہ میز پر رکھ دیا۔

میں نے کہا: ”شکر ہے، بلا ٹلی۔ چلیے اب کھانا کھا لیجیے۔ رضیہ کہتی ہے بڑی

بھوک لگی ہے، ابھی وقت ہے۔ مغرب میں پندرہ منٹ باقی ہیں۔"

فوراً اُٹھے۔ میں نے دسترخوان بچھایا، کھانا نکالا، وہ کھانے سے فارغ ہوکر مسجد کو گئے اور میں رضیہ کو لے کر تخت پر جا کھڑی ہوئی۔

آپا یہ ہے اس ہفتے کی داستان۔ سوچتی ہوں دو چار دن کے لیے انھیں لے کر حاضرِ خدمت ہوں۔ ذرا جی بھی بہل جائے گا، کچھ ذہنی الجھن بھی کم ہو جائیگی، اور پھر سب مل کر آئندہ کے لیے کچھ سوچیں گے بھی۔

چلنے کے لیے میں نے اُن سے کہا وہ بھی تیار ہیں۔ آپ کا جواب آجائے گا تو انشاء اللہ ہم روانہ ہو جائیں گے۔ رکاب پر پیر سمجھیے۔

استعفا ڈپٹی کمشنر کے پاس پہنچ گیا۔ پہلے تحصیل میں چرچا ہوا اور اب تو بچّے بچّے کی زبان پر ہے۔ مولانا تو کہتے ہیں "خوب کیا، اللہ کوئی سبیل اس سے اچھی نکالے گا۔" مگر لوگ لعن طعن کر رہے ہیں۔ ان سب کا کہنا ہے کہ "یہ تو کفرانِ نعمت ہے، بھرے پیٹ میں مکّے مارنا ہے۔ ترنگ میں آکر استعفا تو دے دیا ہے مگر پچھتانا پڑے گا۔"

غرض کہ جتنے منھ اتنی ہی باتیں، اب دیکھیے کیا ہونا ہے؟ کشتی دریا میں ڈال دی ہے، اللہ مالک ہے۔ ہمارا سب کا سلام قبول فرمایئے۔ بھائی صاحب سے بھی کہیے، اور سلمیٰ کو پیار ـــــــ "بُشریٰ"

چودھواں خط

پیاری آپا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ سے رخصت ہو کر ہم سب بخیریت گھر پہنچے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ آتے ہی آپ کو خیریت کا خط لکھ دیتی۔ مگر آج کل میں ہفتہ ہو گیا۔ سوچ یہ رہی تھی کہ وہ کچھ کرنے لگیں تو آپ کو اطلاع دوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ کل معاملہ طے پا گیا اور وہ کل ہی شام کی ٹرین سے عابد خاں اور رحمت اللہ کے ساتھ دلّی گئے ہیں۔ آج میں آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ آپ میرے اس خط کا بڑا انتظار کر رہی ہوں گی اور خفا بھی ہو رہی ہوں گی۔ اچھا خیر، خفا آپ بعد میں ہو لیجیے گا، پہلے اس ہفتے کی داستان سُنیے!

آپ نے اور بھائی جان نے جو مشورہ دیا تھا، اس کے بارے میں عابد خاں اور رحمت اللہ سے بھی رائے لی گئی۔ ان دونوں نے بھی صاد کر دیا اور ہمت بڑھانے کے لیے چند الفاظ جو کہے وہ بڑے کام کے تھے۔ بات بھی ٹھیک تھی۔ ربیع کی فصل کٹ رہی تھی، سہالک کا زمانہ تھا۔

رمضان کا مہینہ، عید کی دھوم دھام، ایسے سنہرے موقع پر کسی بچّے کو
کوئی ٹک کا روزگار کرا دیا جائے تو وہ بھی کچھ نہ کچھ پیدا کر ہی لے گا۔ گجا
اختر صاحب پڑھے لکھے، سمجھ دار، جوان اور حوصلہ مند آدمی۔ شروع شروع
میں تو وہی جھوٹی آن بان تھی جو آج کل کے انگریزی پڑھے لکھے نوجوانوں
میں ہوتی ہے مگر اللہ کا شکر ہے کہ آپ اور بھائی جان سے ایک ہفتے کی لگاتار
گفتگو اور تبادلۂ خیالات کے بعد بہت کچھ کم ہوگئی ہے۔ اب انھیں اگر کوئی
جھجک تھی تو یہ کہ روزگار کے لیے پیسے کی ضرورت ہے اور یہاں چیل کے
گھونسلے میں ماس کہاں؟ اس کا حل انھوں نے یہ پیش کیا کہ اپنی
بائیسکل بیچنے کو تیار ہو گئے۔ اس کی مخالفت میں نے کی۔ عابد خاں اور
رحمت اللہ نے میری تائید کرتے ہوئے کہا کہ یہ بائیسکل آپ کو بے حد
مدد دے گی۔ لہٰذا اسے الگ نہ کیجیے ..... "پھر؟" ..... ان کی
زبان سے نکلا تو میں نے اپنے کڑے اور بالیاں آگے رکھ دیں، اور کہا:
لیجیے، یہ سب آپ ہی کا تو ہے، آخر کس دن کام آئے گا، اور پھر مجھے زیور
سے کوئی دلچسپی بھی نہیں۔ اب کون پہنتا ہے اس قسم کا زیور۔ رواج بھی
اٹھتا جا رہا ہے۔ کوئی سمجھ دار عورت اب پسند نہیں کرتی۔ صرف دیہاتی
عورتوں میں یہ ذوق رہ گیا ہے۔"

میرے یہ سب کہنے پر بھی "وہ" زیور لینے کو تیار نہیں ہوئے۔ کیا

کھوں آپا، آپ سے! آپ کے بہنوئی صاحب اس درجہ غیرت دار واقع ہوئے ہیں کہ بعض اوقات مجھے غیرت سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ ان کی زباں سے "نہ" جو نکلا تو عابد خاں اور رحمت اللہ نے کہا: "دراصل روزگار میں پیسے ویسے کی اتنی ضرورت نہیں ہے کہ اس کے لیے گرہستی بیچی جائے۔ روزگار میں تو سب سے زیادہ ضرورت ہے "ساکھ" کی اور ساکھ قائم ہوتی ہے اعتبار اور دیانت سے ہی چلیے، اُٹھیے، اللہ کا نام لے کر، آخر ہم سب دلّی سے سامان لاتے ہی ہیں۔ گھاٹ باڑھ اور نقد اُدھار ہمارا کام چلتا ہی ہے۔ ہم اپنی ضمانت پر لادیں گے۔"

رضیہ کے بھائی کو اب بھی تکلف تھا، مگر چونکہ دین کا کام بھی سب مل جل کر کرتے ہیں۔ رحمت اللہ، عابد خاں اور مظفر وغیرہ ملا کر سات آٹھ آدمیوں کی ایک ایسی جماعت ہے جو گویا ایک خاندان ہے۔ ہر ایک دوسرے کو بھائی سے زیادہ مانتا ہے چھوٹائی بڑائی اور رنگ و نسل کا کوئی سوال ہی نہیں۔ سُبحان اللہ! اصول کی یکسانیت اور ایمان کی پختگی بھی اللہ کی عجیب نعمت ہے۔ کیسے کیسے غیر لوگوں کو اس طرح جوڑ دیتی ہے جیسے وہ مل جل کر ایک دیوار ہوں۔"

ہاں آپا! پھر تو بڑا مزہ آیا۔ ذرا جو رضیہ کے بھائی نے دبے لفظوں میں انکار کیا تو سب لپٹ گئے۔ لگے اعتراضات کی بوچھار کرنے: "تو اس کے

یہ معنی ہیں کہ آپ ہمیں غیر سمجھتے ہیں، گویا اگر خدانخواستہ کبھی ہم میں سے کسی کا کوئی کام ہوا تو ہم بھی آپ سے الگ تھلگ ہی رہیں، پھر یہ مشورہ اور رائے کیوں لی جاتی ہے؟ آپ ہی نے ایک دن کسی صحابی کے متعلق ایک کتاب سے پڑھ کر سُنایا تھا کہ وہ کسی یہودی کے غلام تھے۔ یہودی تو دولت کا پُجاری ہوتا ہی ہے، اُس نے اُن صحابیؓ سے کہا: "اگر ۳۰۰ درخت کھجور کے لگادو اور اتنا اتنا سونا دو تو تم کو آزاد کردوں۔"

اُن صحابیؓ نے یہ بات اپنے پیارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ حضورؐ دوسرے صحابیوں کو لے کر فوراً اُچھل پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابیوں نے (اُن سے اللہ راضی ہو) گھڑی بھر میں پودے لگا دیے۔ اللہ کی قدرت دیکھیے اسی دن کہیں سے بیت المال میں سونا آگیا۔ حضورؐ نے ان صحابی کو دیا کہ جا کر یہودی کو دیں، اور اُس کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کریں۔ اختر صاحب! اب آپ ہی فرمائیے، ہم سب کو آپ نے اسی مقدس ذات اور ان ہی مبارک ہستیوں کی پیروی کرنے پر ہی تو جمع کیا ہے؟ اب اگر ہم میں سے کسی کو کسی وقت کوئی ضرورت ہو تو کیا ہم اپنے بھائی کے کام نہ آئیں۔

یہ اور اسی طرح کی باتیں تمام رفیقوں نے کیں، اور میاں کو کچھ ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ ساری منطق بھول گئے۔ شام کی ٹرین سے عابد خاں

اور رحمت اللہ کے ساتھ دلّی جانا پڑا۔

وہ دلّی گئے ہیں، میرا دل ان میں لگا ہے۔ اللہ انھیں خیریت سے لائے، اور کامیاب لائے۔ آپ بھی دعا کریں۔ نیا نیا معاملہ ہے۔ میرے دل میں طرح طرح کے خیالات آ رہے ہیں۔ رضیہ آرام سے ہے۔ وہ سلمیٰ کو بہت یاد کرتی ہے۔ سلمیٰ بھی اس سے بہت ہِل مِل گئی تھی۔ میرا اور رضیہ کا سلام قبول فرمایئے۔ والسلام

آپ کی "بشریٰ"

پندرھواں خط

آپا! سلام مسنون

میں نے خط میں تو لکھ دیا تھا کہ خط کے دیر سے لکھنے کی وجہ کیا ہوئی؟ مگر پھر بھی آپ نے ڈانٹ پلائی۔ اچھا لیجیے، یہ خط میں آپ کا خط ملتے ہی لکھ رہی ہوں، گویا اس ہفتے میں میرا یہ دوسرا خط ہے، پچھلے خط کی دیر اور اس خط کی سویر مل کر اوسط برابر ہوگئی۔ اب تو آپ خوش ہو ئیں۔ آپا! جیسی جلدی آپ کو ہمارا حال جاننے کی ہے اس سے زیادہ جلدی مجھے بتانے کی ہے سُنیے، پھر کیا ہوا؟ دلّی سے تیسرے دن واپس ہوئے اور پانچویں دن جھم سے ایک گانٹھ گھر میں آکر ٹھیلے والوں نے لا گرائی۔ میں نے پوچھا: "کیا ہے اس میں؟" مسکراتے ہوئے جواب دیا: "کٹ پیس کا مال ہے۔ عابد خاں اور رحمت اللہ کہتے تھے کہ مناسب داموں مل گیا ہے، خوب چلے گا۔" گانٹھ کھولی گئی تو رنگ برنگ کے ٹکڑے نظر آئے۔ پڑوس کی لڑکی انوری جو مجھ سے پڑھتی ہے، اُس کی بڑی بہن سروری بیٹھی ہوئی تھی دیکھتے ہی کہنے لگی: "ایں! یہ کیا؟ کیسے اچھے اچھے جمپر اور فراک کے لائق ہیں یہ ٹکڑے۔" اور یہ

کہہ کر وہ اپنے گھر بھاگی۔ پلک جھپکتے محلے بھر کو خبر ہو گئی کہ پیشکار صاحب کٹ پیس کا مال لائے ہیں۔

آپا! ذرا اللہ کا کرم تو دیکھیے۔ واقعی کسی نے وہ جو کہا ہے کہ اسے فضل کرتے دیر نہیں لگتی۔ ہاں سچ مچ دیر نہیں لگتی۔ جس نے سنا، اُس نے آکر دیکھا اور خواہش کی کہ بھئی بھاؤ بناؤ تو خریدا جائے۔ عید آرہی ہے، بچّوں کے لیے بڑے اچھے ٹکڑے ہیں یہ۔ رضیہ کے بھائی کو بھاؤ یاد نہ رہا۔ بنا بنایا معاملہ کیا جانیں کس طرح "بھاؤ" بنایا جاتا ہے؟ یہ مشکل رحمت اللہ اور عابد خاں نے آکر حل کی، ایک ایک طرح کے ٹکڑے الگ الگ کیے۔ کوئی بیس پچیس قسم اور رنگ کے ٹکڑے تھے۔ گز گز بھر، ڈیڑھ ڈیڑھ اور دو دو گز، کچھ تین تین اور چار چار گز کے تھے، انھیں تو بالکل الگ کر لیا۔ آدھ گز سے چھوٹا کوئی ٹکڑا نہ تھا۔

قصّہ مختصر یہ کہ عابد خاں اور رحمت اللہ نے ہر قسم کے ٹکڑوں کا "بھاؤ" بنا دیا۔ میں نے رضیہ سے کہلایا کہ منافع کم سے کم رکھا جائے۔ اپنے اسلامی اصول کسی حالت میں بھلائے نہ جائیں، اور جو دام ایک سے لیے جائیں، وہی سب سے خواہ بچّہ لینے آئے یا بوڑھا۔ میں نے رضیہ کے بھائی جان کو بُلا کر پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث جو آپ نے کسی خط میں لکھ بھیجی تھی، سُنائی، کہ "جس نے تجارت کی اور سچ بولا، اور کسی کو دھوکا نہ دیا، تو

وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔" شاید اس طرح یا اس سے ملتی جلتی تھی وہ حدیث۔

انھوں نے سُنا تو کہا: "یہ سب میرے بھی ذہن میں ہے" عابد خاں اور رحمت اللہ کے جانے کے بعد میں نے جا کر دیکھا تو ہر قسم کے ٹکڑوں کے ڈھیر پر ایک ایک پرچہ قیمت کا پڑا پایا۔ میں نے ایک پرچہ اُٹھا کر پڑھا۔ "قیمت آٹھ آنے" دوسرا پرچہ اُٹھایا "قیمت ۱۲ آنے" اسی طرح ایک روپیہ اور ڈیڑھ روپیہ، مختلف قیمتیں معلوم ہوئیں۔ حساب جو لگایا تو میں نے دل میں کہا: "اتنا سستا!!"

میں نے انھیں اور انھوں نے مجھے دیکھا۔ محلہ کی کچھ پردہ دار عورتیں آگئی تھیں، وہ تو میرے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ کچھ ہندو بہنیں اور دوسری عورتیں بھی تھیں، جن سے میری یاد اللہ تھی، وہ ٹکڑے دیکھ رہی تھیں سستے دام جو معلوم ہوئے تو سب نے چھانٹنا شروع کر دیا۔ پردہ دار عورتوں نے مجھ سے کہا: "ذرا اختر میاں سے کہیے، باہر چلے جائیں تو ہم بھی چھانٹ لیں اپنی اپنی پسند کا ورنہ سب اچھا اچھا چھنٹ جائے گا۔"

یہ سُن کر میں دل ہی دل میں ہنسی، انھیں باہر بھیجا۔ تمام عورتیں پل پڑیں، میں یہ تو ضرور کہوں گی کہ عورتیں ہوتی بڑی جذباتی ہیں۔ جس کسی کو جیسا پسند کرتے دیکھا، بس ویسا ہی انھوں نے بھی لے لیا۔ چنانچہ سب نے اپنی اپنی حیثیت

کے موافق اپنے اور بچّوں کے لیے ٹکڑے لیے۔ مجھے اس سے خوشی ہوئی کہ عورتوں کو گھر بیٹھے بازار سے سستا کپڑا اُن کی پسند کا مل گیا۔

قریب قریب کوئی دو گھنٹے میں محلے کے اندر عورتوں عورتوں میں پچاس ساٹھ روپے کا کپڑا بِک گیا۔ ظہر کے وقت عابد خاں اور رحمت اللہ آئے۔ ٹھیلے پر مال لدوا کر بازار لے گئے۔ ساتھ ساتھ وہ بھی گئے۔ مغرب کے بعد لوٹے تو میں نے دیکھا کہ جیب میں نوٹ بھرے ہیں اور مال قریب قریب آدھا ختم۔ کہنے لگے: "بی بُشریٰ! ذرا دامن پھیلاؤ تو۔" میں نے دوپٹے کا دامن آگے پھیلا دیا۔ انھوں نے نوٹ اس میں ڈال دیئے اور ہنسنے لگے۔ بازار کا سارا حال بیان کیا۔ بتایا کہ بازار والوں کو بڑی حیرت تھی کہ بینکار صاحب یہ کیا لے کر بیٹھے ہیں۔ کوئی فقرے کس رہا تھا تو کوئی آوازے۔ بعض نے تو منھ پر کہہ دیا: "اُس کٹ بیس میں عزتِ سادات بھی گئی" بعض بوڑھے اور زمانہ کو دیکھے ہوئے لوگوں نے ہمت افزائی بھی کی۔ غرض کہ جتنے منھ اتنی باتیں۔

میں نے اُن کی زبانی سارا حال سُنا تو یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ لوگ جو ہم سے خلاف تھے اور بولنے کے روادار نہ تھے، انھوں نے بھی آکر اپنے بچوں اور عورتوں کے لیے ٹکڑے خریدے۔ بولے، اور بات بھی کی۔ اور یہ جان کر تو بے حد خوشی ہوئی کہ ان لوگوں سے رضیہ کے بھائی کا رویّہ بہت اچھا رہا۔ میں دل ہی دل میں اللہ کی اتنی شکر گزار ہوئی کہ شکر و احسان اور خوشی کے ملے جُلے جذبات سے میری

آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں نے اُن سے کہا: "اب آپ اس موقع سے فائدہ اُٹھائیے۔ ان سب سے میل بڑھتا ہی رہے تاکہ آپ کو دین کی باتیں پھیلانے میں مدد ملے۔ سچ ہے، شاید اسی لیے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تجارت کرنے پر اُبھارا ہے اور فرمایا ہے کہ روزی کے دس حصوں میں نو تجارت میں ہیں۔

آپا! تجربہ تو یہی ہو رہا ہے کہ روزی کے دس حصوں میں نو تجارت میں ہیں۔ مزید یہ کہ اگر تجارت کے ساتھ ساتھ انسان چاہے تو اپنے معاملات صاف رکھ کر اسلامی حکموں کو آسانی سے دوسروں تک پہنچا سکتا ہے۔ آپ خوش ہوں گی یہ سُن کر کہ رضیہ کے بھائی نے کسی وقت بھی اللہ اور رسول کی لگائی ہوئی پابندیوں اور حدود سے باہر قدم نہیں رکھا۔ دام بھی مناسب لیے اور جھوٹ سے بھی بچے۔

غرض کہ دوسرے دن عابد خاں اور رحمت اللہ کے مشورے سے اُن ہی کے ساتھ بچا کھچا مال بائیسکل پر لاد کر قریب کے گاؤں کے بازار گئے۔ وہ دونوں اپنی اپنی دُکان بھی لے گئے تھے۔ گاؤں میں بھی اچھا خاصا مال نکل گیا۔ لوٹ کر آئے تو چھوٹا سا بقچہ بائیسکل سے اُتارا اور کہنے لگے کہ "کل دلّی جانا ہے۔" میں نے پوچھا "اور مال کیا سب بک گیا؟" کہنے لگے "ہاں! گاؤں کے دو تین چھوٹے موٹے بیوپاریوں نے دیکھا، پسند کیا، دام طے ہوئے۔ میں نے

کم منافع پر عابد خاں کی رائے سے دے دیا۔ یہ کچھ ٹکڑے رہ گئے ہیں۔

آپا! رنگ ڈھنگ تو اچھے نظر آ رہے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو ہم سب کامیاب ہوں گے۔ آپ بھی دعا کرتی رہیں۔ میں دو ہی تین دن کے بعد پھر خط لکھوں گی۔ بس وہ دتّی جا کر واپس آ لیں۔ پھر میں سارا حال کہہ سناؤں۔

والسلام۔ بھائی جان سے سلام اور سلمیٰ کو دعا کہیے گا۔

آپ کی "بشریٰ"

سولہواں خط

کسی تمہید کے بغیر گزارش ہے کہ صبح کو وہ دلّی روانہ ہوئے۔ قریب دس بجے، ایک غریب ہندو عورت اپنے دو بچوں کو لے کر آئی۔ نمستے یعنی اپنے طریقے سے سلام کیا۔ میں نے کہا: "آؤ بہن! بیٹھو، کہو خیریت ہے؟ کیسے براجمان ہوئیں؟"

آپا! آپ تو جانتی ہیں، آج کل ہندی کا زمانہ ہے۔ میں نے رضیہ کے بھائی جان سے ہندی زبان کے کچھ شبد (الفاظ) سیکھ لیے ہیں تا کہ اپنی ہندو بہنوں کو اپنی بات آسانی سے سمجھا سکوں، ہاں، تو میں نے اس بہن کو خاطر سے بٹھایا۔ رضیہ کے لیے دو کیلے رکھے تھے، وہ میں نے اس کے بچوں کو دے دیئے۔

یہ آؤ بھگت دیکھ کر وہ رونے لگی۔ میں نے کہا: "بہن! خدا نہ کرے آپ روتی کیوں ہیں؟" کہنے لگی: "دیدی! میں ایک وِدھوا (بیوہ) عورت ہوں۔ آپ ہی کے محلے کے پاس والے محلّے میں اُس ٹکڑے پر رہتی ہوں۔ ایشور نے مجھے بھی سب کچھ دے رکھا تھا، پر پتی (شوہر) کے مرنے پر میں ابھاگن

(بدنصیب) ہو گئی۔ آپ جانیں، ہندو جاتی میں وِدھوا وِواہ (شادی بیوگان) کا رواج نہیں۔ اگر ایسی حالت میں کسی کے آگے لڑکے لڑکیاں ہوئیں تو جانیے کہ بے چاری دنیا جہان سے گئی۔ دیدی! میرے ساتھ بھی یہ دو بچّے ہیں۔ میرا کوئی سہارا نہیں۔ آپ کے یہاں سے کریم بھائی اپنے بال بچّوں کے لیے ٹکڑے لے گئے تھے۔ کہیں ان دونوں (کملا اور رمیش) نے دیکھ لیا، بس مچل گئے۔ "ماتا جی! ہمیں بھی لا دیجیے۔" اور ماتا جی کا حال یہ ہے کہ دیدی، دیکھیے ذرا!"

بے چاری نے اپنا رونا روتے روتے اپنا پھٹا پرانا جمپر جو اُٹھایا تو میں نے دیکھا کہ بھوک سے اس کا پیٹ پیٹھ سے لگ گیا ہے۔ میں کانپ گئی۔ میں نے اپنا منھ ڈھانپ لیا۔ آپ تو جانتی ہیں کہ میں کتنے کمزور دل کی واقع ہوئی ہوں۔ میں رونے لگی۔ پھر اس ہندو بہن اور دونوں بچوں کو اس گٹھری کے پاس لے گئی جس میں بچے کھچے ٹکڑے رہ گئے تھے۔ تینوں کے سامنے کھولا اور کہا: "بہن! چھانٹ لو اپنی پسند کا۔ وہ مال لینے گئے ہیں۔ تم ایک ہفتہ کے بعد پھر آنا۔ تو میں تمھارے اور تمھارے بچوں کے لیے اچھے اچھے ٹکڑے دوں گی۔ پیسوں کا خیال نہ کرنا، یہ سب اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اور اللہ ہی کے بندوں کے لیے ہے۔" یہ سُن کر خوش تو ہوئی مگر ہے بڑی غیرت دار اور شریف، صرف اتنا کپڑا لیا جس میں ایک ایک کُرتہ ہو سکے۔ "بس" میں نے کہا بھی۔ مگر

اس نے کہا "بس، ایشور آپ کو اور دے۔"

تیسرے دن رضیہ کے بھائی دلّی سے واپس ہوئے، اب کے اکیلے گئے تھے۔ مجھے خواہ مخواہ ہول ہو رہا تھا کہ ناتجربہ کار آدمی ہیں خدا جانے کیا بنے کیا نہ بنے؟ مگر یہ میرا وہم ہی وہم تھا، پڑھا لکھا آدمی اسلامی اصولوں پر اگر تجارت کرے تو بے پڑھے سے لاکھ درجے بہتر کرتا ہے۔ دلّی سے آکر بتایا کہ سیٹھ رام جی لال، بھولا ناتھ اتنی جلد رقم واپس ہوتے دیکھ کر بہت خوش ہوئے، تجارت کے گُر بتانے لگے۔ کچھ ایسی باتیں بتائیں جو ہمارے لیے ناقابلِ قبول تھیں۔ مثلاً یہ کہ "ادھار لینے والے کو سوداگراں دو، مال کی مانگ دیکھ کر بھاؤ بڑھا دیا کرو۔" لیکن سیٹھ صاحب کی ان نصیحتوں کو شکریہ کے ساتھ رد کر دیا گیا تو سیٹھ صاحب کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کس قسم کا بیوپاری ہے؟ خیر، سیٹھ صاحب کو اپنے دام سے کام، ان کو رقم دی گئی اور ساتھ ہی کہا گیا: "سیٹھ جی! ایشور کو بھی منہ دکھانا ہے ایک دن۔"

یہ سُنا تو سیٹھ جی لپٹ گئے۔ "چھما کیجیے، چھما کیجیے۔ میں نے تو تجربہ کی بات کہی تھی، آپ بڑے ایماندار ہیں، جتنا چاہیں مال لے جائیں اپنی دُکان سمجھیے۔" کہتے ہوئے ایک گانٹھ کی بجائے دو گانٹھیں اسٹیشن بھیج دیں اور چلتے وقت دو گانٹھوں کی بلٹی ہاتھ میں دے دی۔ نفع خور کی ذہنیت بھی عجیب ہوتی ہے۔

لیجیے، اب کی دو گانٹھیں بے پیسے کوڑی آگئیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ تجارت میں جھوٹ کے بغیر کام نہیں چلتا۔ ہمارا تجربہ ہے کہ تجارت سچ ہی کے بل بوتے چلتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ آج کل لوگوں کو روزگار نہیں ملتا۔ ہمارا تجربہ ہے کہ روزگار لوگوں کو ڈھونڈ رہا ہے، کوئی کرنے والا ہو! محنت، دیانت اور ایمانداری سے کام کرے تو دیکھیے، اللہ تعالیٰ کیسا اپنا فضل فرماتا ہے۔ پھر وہ شخص جو کچھ کرے، اللہ ہی کے لیے کرے تو پھر کیا کہنا! اس ڈیڑھ دو مہینے ہی میں تجربہ ہوا کہ حق حلال کمائی گھر میں آئی اور خوب آئی۔ محنت کرنے سے ان کی تندرستی بھی ٹھیک ہوگئی۔ ویسے جب بیشکار تھے تو دو چپاتیاں کھاتے تھے اور ہاضمے کی شکایت کیا کرتے تھے۔ اب ایسی کوئی شکایت نہیں۔ ملازمت کے دوران میں مَیں نے کسی فقیر کو کچھ دے دیا تو دے دیا۔ انھوں نے کاہے کو جھنجی کوڑی کسی کو اللہ کی راہ میں دی ہوگی۔ اب یہ حال ہے کہ اِدھر کسی نے ہاتھ پھیلا کر کہا "اللہ بھلا کرے۔" اُدھر انھوں نے اِکنّی دونّی جو ہاتھ لگی دے دی۔ لوگوں سے میل جول کا یہ حال ہے کہ دوست، یار بڑھتے ہی جا رہے ہیں، روزانہ ہزاروں آدمی نظر سے گزرتے ہیں، سینکڑوں سے بات چیت ہوتی ہے، دوسرے تیسرے ایک نہ ایک رفیق دین کے کام کے لیے ملتا ہی رہتا ہے۔ پرسوں جمعہ کو مولانا کے درس میں پچیس تیس آدمی تھے۔ ان میں سے گیارہ تو وہ تھے جنھوں نے میرے شوہر کے ساتھ عہد کیا ہے کہ

نیکیاں پھیلانے اور بُرائیاں مٹانے میں اور حلال روزی کمانے ہی میں عمر کا ہر لمحہ گزاریں گے۔ نیز جو کام کریں گے اللہ کی رضا کے لیے کریں گے۔

آپا! .... کہنا بہت کچھ ہے۔ تجارت کے فائدے مالی اعتبار سے اور دینی حیثیت سے اتنے زیادہ سامنے آئے ہیں کہ میں کیا کہوں۔ میرا بس چلے تو میں اپنے تمام ملنے والوں سے زبردستی تجارت کراؤں۔ محلے کے لوگ جو مخالف تھے، ایک ایک کر کے سب ہم سے ملتے جاتے ہیں۔ پُرانی باتیں بھول رہے ہیں۔ نئے سرے سے میل بڑھا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہم تو بالکل اندھیرے میں تھے، نیم مُلّا قسم کے لوگوں نے اسلام کے بارے میں نہ جانے کیا سمجھا رکھا تھا۔ قصّہ مختصر، اختر صاحب کا جی تجارت میں لگ گیا ہے۔ اللہ کا بڑا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں آزمائش سے بچا لیا۔ اب اختر الاسلام صاحب پیشکار نہیں ہیں، بلکہ اختر صاحب، اور بعض کے بھیّا ہو گئے ہیں، کٹ پیس بیچتے ہیں۔ گھر کے اندر کچھ ٹکڑے میں رکھ لیتی ہوں۔ پردہ دار عورتوں کو سہولت ہو گئی ہے۔ انھیں سستے داموں اچھا کپڑا گھر بیٹھے مل جاتا ہے۔ بس میں کھانا پکانے اور بچوں کو پڑھانے کے بعد پردہ دار عورتوں کی خدمت ہی میں مصروف رہتی ہوں اور باتوں باتوں میں دین کی ایک نہ ایک بات بتا دیتی ہوں۔ اب جو چاہے، اپنے رب کی راہ اختیار کرلے۔

آپا! بہت دن لگے آپ کو ایک شخص کی تربیت میں۔ میں نے آپ کے

مشوروں پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی۔ اب میں بہت خوش ہوں۔ ہر اعتبار سے خوش۔ اللہ تعالیٰ اچھا خاصا پہننے کھانے کو دے رہا ہے۔ وہ بھی مطمئن ہیں۔ ملازمت سے بدرجہا اچھے رہے۔ حق حلال کماتے کھاتے ہیں۔ خیر خیرات بھی کرتے ہیں۔ مجھ سے بھی بڑی محبت کرنے لگے ہیں۔ حلال کمائی دین کی خدمت، محبت کرنے والا شوہر، اور کیا چاہیئے ایک خاتون کو۔ آپا! مجھے سب کچھ مل گیا۔ میں اپنی اس زندگی پر اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ادا کرتی ہوں اور آپ کے لیے میرے روئیں روئیں سے دعا نکلتی ہے۔

دعا گو، آپ کی "بشریٰ"